تیسرا سالانہ مشاعرہ
۱۹۶۸ء
Accession Number
Date
سوونیر
مرتبین:
سلیمان اریب
مجتبیٰ حسین
ادبی ٹرسٹ
حیدرآباد

قیمت : دو روپے

★

ملنے کا پتہ

ادبی ٹرسٹ بک ڈپو، کشادا بنک بلڈنگ، عابد روڈ۔ حیدرآباد

خوشنویسی

سلام خوشنویس

★

طباعت

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارمینار۔ حیدرآباد ۲، فون : (۴۲۷۰۴)

سرورق : انتخاب پریس۔ جواہرلال نہرو روڈ
حیدرآباد ۱

اِنتساب

نواب مہدی نواز جنگ

کے نام

جن کی

سرپرستی ادبی ٹرسٹ کے قیام کے منصوبے
کی عمل آوری کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت
ہوئی، — اور جن کا اِسمِ گرامی اُردو کی
ترویج و اشاعت کی ہر تحریک کا نقطۂ آغاز
بنا رہا

▲

ترتیب

فہرست کتب

اَدبی ٹرسٹ کی کارکردگی

—— سرسری جائزہ ——

چنچل سرکار نے اپنے ایک مضمون میں جو انھوں نے کُل ہند مُدیرانِ جرائد کانفرنس کے اجلاس حیدرآباد میں شرکت کے بعد دہلی واپس ہونے پر لکھا تھا، ہندوستانی زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کی صُورتِ حال کے متعلق بعض دلچسپ انکشافات کیے ہیں۔ نیشنل لائبریری کلکتہ کے ڈپٹی لائبریرین کے حوالے سے، مسٹر چنچل سرکار نے بتایا ہے کہ گذشتہ سال دُنیا کے تمام ممالک میں چار لاکھ نئی کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی۔ ان کے منجملہ جاپان کو چھوڑ کر تمام ایشیائی ممالک میں شائع ہونے والی کتابوں کا تناسب سترہ فیصد سے تجاوز نہ کر سکا۔ جاپان کو شامل کر لیا جائے تو اس میں مزید ۶ فیصد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

مسٹر چنچل سرکار نے دُنیا کے مختلف ممالک کی آبادی کے لحاظ سے ان ممالک میں شائع کی جانے والی کتابوں کا تناسب بھی نکالا ہے اور ان کے حساب سے، جہاں جاپان میں ۴۲۰۰، افراد پر ایک، فرانس میں ۲۱۲۲، افراد پر ایک، ہالینڈ میں ۱۲۴۸، افراد پر ایک، چیکوسلواکیہ میں ۱۵۶۸، افراد پر ایک، کتاب شائع ہوئی ہے۔ وہاں ہندوستان میں اس کا تناسب، ۱۱ ہزار افراد کے لیے، ایک کتاب سے بڑھنے نہیں پایا ہے۔ یہ تناسب بھی اس اعتبار سے، کچھ زیادہ دُرست اور قابلِ اعتماد نہیں کہ، جن شائع شدہ کتابوں کی تعداد پر یہ تناسب نکالا گیا ہے، ان کے منجملہ صرف ۹ ہزار مطبوعات ایسی ہیں جنھیں کتابوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔ باقی سب کتابچوں اور وَرقیوں کی تعریف میں آتے ہیں۔

ایشیائی زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کی اس صورتحال سے یہ نتیجہ اَخذ کرنا مشکل نہیں کہ ان ممالک میں کتابوں کی

اشاعت اور ان کی خرید و فروخت کا کاروبار، تقریباً معطل و مفلوج ہے۔ اور اگر کچھ کتابیں شائع بھی ہوتی ہیں تو ان کی نکاسی میں اتنا عرصہ لگ جاتا ہے کہ وہ کتابیں جن موضوعات سے متعلق ہوتی ہیں، وہ اگلے وقتوں کی بات بن جاتے ہیں۔ ہندوستان تو اس معاملہ میں بہت پیچھے ہے۔ لیکن گذشتہ چند سال سے اُمید افزا صورتِ حال پیدا ہو رہی ہے۔ اور ہندوستان کی زبانوں میں کتابوں کی اشاعت اور ان کی خرید و فروخت میں باقاعدگی اور باضابطگی پیدا ہونے لگی ہے یہ بات بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں کہ ۴۸-۱۹۴۷ء سے اب تک بیرونی ممالک سے کتابوں کی درآمد میں بھی مسلسل اضافہ ہوا ہے چنانچہ ۴۸-۱۹۴۷ء میں جہاں ۴۸ لاکھ ۴۴ ہزار ۴ سو ۹۵ روپے کی کتابیں درآمد کی گئی تھیں وہاں ۶۶-۱۹۶۵ء میں تین کروڑ ۲۱ لاکھ ۲۶ ہزار ۷ سو گیارہ روپے کی کتابیں درآمد کی گئیں۔ ان میں اکثریت انگریزی کتابوں کی تھی۔ لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیجئے کہ ۶۲-۱۹۶۱ء میں جہاں ہندوستان نے دیگر ممالک کو ۴۷ لاکھ ۷۷ ہزار ایک سو باسٹھ روپے کی کتابیں بھجوائیں وہاں ۶۶-۱۹۶۵ء میں صرف ۶۰ لاکھ ۳۰ ہزار ۶ سو روپے کی کتابیں برآمد کی جا سکیں۔

کتابوں کی اشاعت اور خرید و فروخت سے متعلقہ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان میں، آزادی کے ۲۱ سال بعد بھی کتابوں کی اشاعت کی رفتار بے حد حوصلہ شکن ہے۔ انگریزی میں شائع کی جانے والی کتابوں کو تو پھر بھی خریدنے والے مل ہی جاتے ہیں لیکن ہندوستانی زبانوں میں لکھنے والے مصنفین اور ان کے ناشروں کو بڑی تکلیف دہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ دیگر ہندوستانی زبانوں کے مقابلہ میں اُردو میں کتابوں کی اشاعت اور خرید و فروخت کا موقف تو بے حد صبر آزما ہے۔ دُشوار منازل و مراحل سے گذر کر اُردو کا کوئی لکھنے والا اپنی کتاب شائع بھی کرا لے تو اس کی نکاسی کا مسئلہ جُوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ یوں بھی آزادئ ہند کے بعد، اُردو کے تعلق سے جو شکوک و شبہات پیدا کیئے جا رہے ہیں، وہ اس کے ارتقا اور اس کی نشو و نما میں ایک سنگِ گراں بن گئے ہیں۔ پبلشرز بڑی مشکل سے کسی اُردو کی کتاب کی اشاعت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ادبی، تحقیقاتی اور سائنسی کتابوں کی اشاعت کا خطرہ مول لینے کے بجائے وہ درسی اور نصابی کُتب کو ترجیح دیتے یا پھر ایسی کتابیں شائع کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہیں جو گھٹیا قسم کے جنسی امور و معاملات سے متعلق ہوتی ہیں۔ مقبولِ عام اُردو ادیبوں کے لیئے کسی پبلشر کا حصول غالباً زیادہ مشکل نہیں ہوتا لیکن اُردو کے نئے ادیبوں شاعروں اور دانشوروں کے لیئے اپنی کسی کتاب کی اشاعت کا انتظام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ چند سال کے دوران اُردو کی جن کتابوں کی اشاعت عمل میں لائی گئی ان میں اکثر مقبول اور پرانے ادیبوں اور شاعروں کی ہی ہیں۔ نئے ادیبوں اور شاعروں کی جو تخلیقات منظرِ عام پر آئی ہیں، نکاسی کے معقول اور اطمینان بخش شعبے کی عدم موجودگی نے انھیں بک شیلفس کی زینت بنائے رکھا ہے۔ نئی کتابوں کی تشہیر کی جانب بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔

ان ساری باتوں کو پیشِ نظر رکھ ۱۹۶۶ء میں حیدرآباد میں ادبی ٹرسٹ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس منصوبے کی عمل آوری میں نواب مہدی نواز جنگ مرحوم، جناب حبیب الرحمٰن صاحب، مسٹر مخدوم محی الدین اور مسٹر میر حسن نے بھرپور اشتراک کیا۔

ادبی ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد میں اُردو کے غیر مستطیع لیکن ذہین ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت اور ان کی نکاسی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ٹرسٹ نے ایسے ادیبوں اور لکھنے والوں کے لیے، جو معاشی مصائب و آلام کا شکار ہو جائیں یا علالت و بیماری کی بنا پر اپنی اور اپنے افرادِ خاندان کی کفالت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں، امداد کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ لیکن فنڈ کے استحکام تک اس قسم کی امداد کی اجرائی ملتوی رکھی گئی ہے۔

صاحبِ خیر اور اُردو دوست اصحاب کے انفرادی عطیوں کے علاوہ ہر سال مشاعرے کے انعقاد سے بھی ٹرسٹ کے فنڈ میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء کے پہلے مشاعرے سے لے کر اب تک ٹرسٹ کا فنڈ چالیس ہزار روپے کی سطح پر پہنچ گیا ہے۔

ٹرسٹیز میں مسز ایل۔ این گپتا (صدر)، محامد علی عباسی، حبیب الرحمٰن، مخدوم محی الدین، ڈاکٹر عبدالمنان کے علاوہ خود میں بحیثیت سکریٹری شامل ہوں۔ اور ان ہی کے فیصلہ کے مطابق معیاری اُردو مطبوعات کی فروخت اور نکاسی کی غرض سے حیدرآباد کی سب سے بڑی اور بارونق شاہراہ، عابد روڈ پر، کنارا بنک کے اربابِ مجاز کی اجازت سے بُک ڈپو بھی قائم کر دیا گیا۔ یہ چھوٹا سا بُک ڈپو آندھرا پردیش اور ہندوستان کے اُردو ادیبوں کی تازہ تخلیقات سے اُردو پڑھنے والوں کو روشناس کراتے اور جاذبِ توجہ پبلسٹی کے ذریعہ ان کی نکاسی کا اہم فریضہ انجام دے رہا ہے۔ بُک ڈپو کے حساب کتاب اور نفع نقصان کی باقاعدہ تنقیح کرائی جاتی ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق مئی ۱۹۶۷ء سے ختم مارچ ۱۹۶۸ء تک ۴ ہزار ۸ سو آٹھ روپے ۹۰ پیسے کی کتابیں فروخت کی گئیں۔ بُک ڈپو کی کارکردگی اور اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ آندھرا پردیش کے اضلاع کے علاوہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے بھی اُردو کی مطبوعات کے بارے میں تازہ ترین مواد بُک ڈپو ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور جتنے محبانِ اُردو حیدرآباد کی سیاحت پر آتے ہیں وہ اس تاریخی شہر کے اہم تاریخی مقامات کے ساتھ ساتھ ادبی ٹرسٹ کے بُک ڈپو پر ایک طائرانہ نظر ڈال لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس میں اُردو کی تمام تازہ تخلیقات مل جاتی ہیں۔ لیکن ابھی بُک ڈپو کا کام سائنٹیفک ڈھنگ سے نہیں چل رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بُک ڈپو کی جانب سے "کتاب نما" کی طرح ایک مختصر سا رسالہ ہر ماہ شائع ہوا کرے۔ اور اس میں بُک ڈپو کو وصول ہونے والی نئی تخلیقات کے بارے میں ضروری معلومات اور مواد فراہم کیا جائے، تاکہ ہندوستان کے سبھی علاقوں کے اُردو پڑھنے والوں کو اپنی پسند کی کتابوں کے طلب کرنے میں سہولت ہو

بُک ڈپو کو ایک سال کے دوران مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی جانب سے کتابوں کی سربراہی کے لیے خاطر خواہ آرڈر حاصل کیے گئے۔ وہ دن اب کچھ زیادہ دور نہیں کہ جب ادبی ٹرسٹ کا بُک ڈپو اُردو کی تمام معیاری کتابوں کا منفرد مرکزِ فروخت بن جائے گا۔ اور اس کاروبار کے منافع سے ادبی ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں بڑی مدد ملے گی۔ اُردو ٹرسٹ دراصل اُردو کی مقبولیت اور ہمہ گیری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُردو اب سرکار اور حکومت کی سرپرستی کی حامل نہیں رہی ہے، اُسے اب اپنے پیروں پر کھڑے رہنا پڑے گا۔ جو لوگ

اُردو کی بہی خواہی کے دعوے دار ہیں، انھیں بدلے ہوئے حالات سے مایوس ہونے کے بجائے اُردو کے ان اداروں کی معاونت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھنی چاہیے، جو اسے پروان چڑھانے اور ترقی دینے کی پُر خلوص کوشش کر رہے ہیں۔ احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقع پر بعض صاحبانِ خیر کا ذکر نہ کیا جائے، جنھوں نے ادبی ٹرسٹ کے لیے گراں بہا عطیے دیے۔ اعلیٰحضرت حضور نظام، مسٹر ایس پی سین اور شری آنند موہن لال صدر نشین وزیر سلطان ٹوباکو کمپنی لمیٹڈ بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ انکی جانب سے خطیر رقمیں ادبی ٹرسٹ کو بطور عطیہ دی گئیں۔ اب ٹرسٹ اپنے اغراض و مقاصد کے دیگر اہم ایٹمس کی تکمیل پر توجہ دینے کے موقف میں ہے۔ اور اب بہت جلد اُردو کے ذہین لیکن بے استطاعت ادیبوں اور شاعروں کی تصانیف کی اشاعت کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اور اس طرح اچھی کتابوں کی نکاسی کے ساتھ ساتھ ان کی اشاعت کا شعبہ بھی کام کرنے لگے گا۔

مجھے یقین ہے کہ ادبی ٹرسٹ کے اس عظیم اور بڑے کام میں اسے اُردو کے تمام دوستوں اور بہی خواہوں کا تعاون حاصل رہے گا۔ اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ادبی ٹرسٹ کے فروغ و ارتقا میں ریاستی اور مرکزی حکومت کے بعض سرکردہ قائدین کا اشتراک بھی ہمیں حاصل رہا ہے۔ تلگو کے سرکردہ دانشوروں کے دلوں میں بھی ادبی ٹرسٹ نے نرم گوشہ پیدا کر لیا ہے۔ لسانی تنگ نظری کے اس دور میں اُردو اور تلگو کا یہ سمبندھ ایک نیک شگون ہے۔

آخر میں، میں ان پُر خلوص کارکنوں کو بھی جو ادبی ٹرسٹ کے منصوبہ کی عمل آوری میں ہمہ تن مصروف ہیں، مبارکباد دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ خاص طور پر صلاح الدین نیّر نے ادبی بک ڈپو کی تنظیم اور ادبی ٹرسٹ سے متعلقہ کاموں کی انجام دہی میں صلہ و انعام کی تمنا سے بلند رہ کر جس جوش کا عملی مظاہرہ کیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

جناب میر حسن صاحب کے تذکرہ کے بغیر یہ تعارف نامکمل رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ موصوف ہی نے کتابوں کے انتخاب اس کی نکاسی اور حساب کتاب کے کام کی مکمل نگرانی کی۔ حیدرآباد کی اچھی کتابوں کو باہر فروخت کرانے کا انتظام کیا اور اپنا پورا وقت اس ٹرسٹ کے استحکام کے لیے وقف کیا۔ ان کا شکریہ ادا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔

عابد علی خاں

نواب مہدی نواز جنگ بانیٔ ادبی ٹرسٹ

جناب وی شنکر ۔ آئی ۔ سی ۔ ایس
سکریٹری وزارت دفاع حکومت ہند
صدر مشاعرہ

جناب ایل این گپتا صاحب
صدر نشین ادبی ٹرسٹ

جناب حبیب الرحمٰن صاحب
ٹرسٹی

جناب محمد علی صاحب
وزیر ٹرانسپورٹ و اطلاعات حکومت میسور

جناب ایم - اے قادر صاحب
مشیر قانونی

جناب حامد علی عباسی صاحب
ڈپٹی
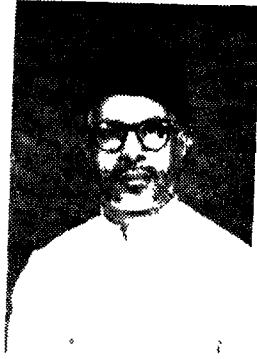
جناب یونس سلیم صاحب
مرکزی نائب وزیر اوقاف حکومت ہند

جناب عابد علی خاں صاحب
مینیجنگ ٹرسٹی

جناب مخدوم محی الدین صاحب
ٹرسٹی

ڈاکٹر سید عبد المنان صاحب

ٹرسٹی

سلیمان اریب

کنوینر مشاعرہ (۱۹۶۶ء)

میر حسن صاحب
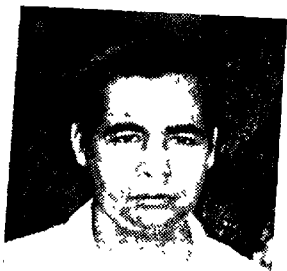
کنوینر مشاعرہ

مہمان شعرا

علی سردار جعفری

حضرت میکش اکبر آبادی

عرش ملسیانی

کیفی اعظمی

بیکل اُتساہی

سلیم کھتولوی

جناب رنگ بہاری لال
بیگم نسیم دہلوی

مینا قاضی

زبیر رضوی

سلیمان خطیب

ادبی ٹرسٹ کے پہلے مشاعرہ (۱۹۶۶ء) کا ایک منظر - تصویر میں صدر مشاعرہ ڈاکٹر ایم چنا ریڈی
کیفی اعظمی ، بیکل اتساہی ، جگن ناتھ آزاد ، سلیمان خطیب ، ابن احمد تاب ، خیرات ندیم اور
سلیمان اریب دیکھے جاسکتے ہیں -

ادبی ٹرسٹ کے پہلے مشاعرہ میں ایک امریکن شاعر کلام سنا رہے ہیں - شہ نشین پر
مخدوم محی الدین ، کیفی اعظمی ، ڈاکٹر چنا ریڈی ، بیکل اتساہی ، ناصر کرنولی ، صلاح الدین نیر
[illegible] ، اوج یعقوبی ، سلیمان اریب اور شورمینائی موجود ہیں -

وقت لا قیمت اشیاء کی حفاظت کرتا ہے

ـــــ لیکن ـــــ

آپ کی قیمتی اشیاء کے لیے

ہمارے سیف ڈپازٹ لاکرس کا

تحفظ ضروری ہے۔

اپنی قیمتی اشیاء اسٹیٹ بنک آف حیدرآباد کے
سیف ڈپازٹ لاکرس میں محفوظ کرا دیجیے....
یاد رکھیے کہ آپ کے لاکر کی صرف یک ہی کنجی
ہوتی ہے، اور وہ کنجی آپ ہی کے پاس رہتی
ہے۔ آپ کی قیمتی اشیاء نہ صرف محفوظ رہتی ہیں
بلکہ ان کے بارے میں کامل رازداری سے بھی
کام لیا جاتا ہے۔

○

پی ستیا پتی راؤ

جنرل منیجر

اسٹیٹ بنک آف حیدرآباد

● لگژری اور کانٹی نینٹل بسس اور لگژری کارز کرایہ پر دستیاب ہوسکتے ہیں ـــــ

باہر سے آنے والے سیاح ہماری

سروس سے ہر طرح مطمئن ہونگے

میسور کے طول و عرض میں عرصہ دراز

سے ہماری خدمات مسلّمہ ہیں ۔

مسٹر وِدیاشنکر سکریٹری وزارت دفاع حکومت ہند

مسٹر ودیاشنکر ایم۔ اے، آئی سی ایس، ۱۰ر نومبر ۱۹۰۹ء کو پرتاب گڑھ (اودھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول پرتاب گڑھ میں حاصل کی اور اس کے بعد ڈی اے وی کالج کانپور، یونیورسٹی اور اسکول آف آرٹس الہ آباد میں زیر تعلیم رہے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے سینٹ جانس کالج آکسفورڈ بھجوائے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں مسٹر ودیاشنکر کا انڈین سیول سروس کے لیے انتخاب عمل میں۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۷ء تک وہ دھارواڑ کے اسسٹنٹ کلکٹر رہے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۸ء تک انھوں نے مغربی خاندیش کے اسسٹنٹ کلکٹر کے فرائض انجام دیئے۔ ۳۹۔۱۹۳۸ء میں وہ پونہ کے اسسٹنٹ کلکٹر تھے۔ ۱۹۳۹ء کے اواخر میں انھیں حکومت بمبئی کا انڈر سکریٹری برائے محکمہ مال مقرر کیا گیا۔ ۴۱۔۱۹۴۰ء میں وہ محکمہ فینانس کے ڈپٹی سکریٹری رہے اور ۱۹۴۱ء میں مسٹر شنکر کو مرکزی محکمہ داخلہ کا انڈر سکریٹری مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں انھیں ڈپٹی سکریٹری ہوم ڈپارٹمنٹ بنادیا گیا۔ ۴۷۔۱۹۴۶ء میں مسٹر شنکر ہوم ممبر کے پرائیویٹ سکریٹری رہے۔ آزادیٔ ہند کے بعد اگست ۴۷ء میں انھیں جائنٹ سکریٹری منسٹری آف اسٹیٹس مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء تک وہ ڈائرکٹر جنرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگرافس کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک مسٹر شنکر نے مرکزی وزارت داخلہ کے اسپیشل سکریٹری کے فرائض انجام دیئے اور ۱۹۶۲ء میں انھیں کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ کا نائب صدر مقرر کیا گیا۔ اب وہ وزارت دفاع کے سکریٹری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مسٹر ودیاشنکر کا شمار صف اول کے محبان اردو میں ہوتا ہے۔ وہ اردو شاعری کے دلدادہ ہیں اور اپنی بے شمار سرکاری مصروفیت کے باوجود مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شرکت اور ان کی سرپرستی کے لیے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لیتے ہیں۔

اردو کو اپنے اس دوست اور محسن پر فخر ہے۔ مسٹر شنکر بمبئی اور دہلی کے ہر بڑے ثقافتی علمی اور ادبی اجتماع کی صدارت کرتے رہے ہیں۔ گذشتہ سال انھوں نے مزاح نگاروں کی کانفرنس کے سلسلے میں منعقدہ کل ہند مزاحیہ مشاعرہ کی صدارت بھی فرمائی تھی۔

نیک تمنّاؤں
کے
ساتھ

راجُو
اینڈ
منار
لاری ٹرانسپورٹ
بنگلور

مسٹر مُحَمَّد عَلی ـــ وزیر ٹرانسپورٹ ریاست میسور

میسور کے وزیر ٹرانسپورٹ مسٹر محمد علی حیدرآباد کے اس محبِ وطن گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جس نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کے دوران ۱۸۵۷ء میں سابق ریاست حیدرآباد میں متعینہ انگریز ریزیڈنٹ کی قیام گاہ پر حملہ کی قیادت کی تھی۔ جذبۂ وطن دوستی کی پاداش میں مسٹر محمد علی کے اسلاف کو اس زمانے کے حکمرانوں کے مظالم اور عتاب کا ہدف بننا پڑا۔ مسٹر محمد علی نے گلبرگہ شریف میں ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۲ء میں جامعہ عثمانیہ ہی سے گریجویشن کی تکمیل کی۔ وہ اپنے دور کے بہترین اسپورٹسمین مانے جاتے تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں ہاکی ان کا پسندیدہ کھیل رہا۔ کم عمری سے مسٹر محمد علی نے سابق ریاست حیدرآباد کی سیاسی سرگرمیوں میں دلچسپی لینی شروع کی۔ وہ کئی سال تک حیدرآباد کی بار ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی رہے۔ ۱۹۴۷ء میں مسٹر محمد علی نے کانگریس کی رکنیت قبول کی اور کئی تنظیمی عہدوں پر فائز رہے۔ متعدد ترقیاتی کمیٹیوں کے رکن کی حیثیت سے بھی انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ چار سال تک وہ ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی گلبرگہ کے سکریٹری بھی رہے۔ ۱۹۵۲ء میں مسٹر محمد علی، گلبرگہ کے حلقۂ انتخاب سے سابق ریاست حیدرآباد کی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور لسانی اساس پر ریاست حیدرآباد کی تنظیم جدید کے بعد ۱۹۵۷ء میں وہ میسور اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ مسٹر ایس نجلنگپا نے جب نئی ریاست میسور کی پہلی وزارت تشکیل دی تو اس میں انھیں وزیر آبکاری کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں وہ میسور پردیش کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۶۳ء میں یہ سب سے اعلیٰ ذمہ دارانہ عہدہ انہی کے تفویض کیا گیا۔ چوتھے انتخابات کے بعد مسٹر نجلنگپا نے انھیں اپنی وزارت میں وزیر ٹرانسپورٹ کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔ مسٹر محمد علی پچھلے دنوں تپ کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور ایک طویل عرصہ تک زیرِ علاج رہے۔ اپنی بے پناہ سیاسی مصروفیات کے باوجود وہ ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ حیدرآباد سے ان کی وابستگی اب تک باقی اور برقرار ہے۔ ادبی ٹرسٹ کے قیام اور اس کی ترقی کے سلسلے میں مسٹر محمد علی کے بے لوث تعاون و اشتراک کو محبانِ اردو فراموش نہیں کر سکتے۔

▲

مسٹر یونس سلیم ——— مرکزی نائب وزیر قانون و اوقاف

مسٹر یونس سلیم کا شمار ملک کے ممتاز نیشنلسٹ مسلم قائدین میں ہوتا ہے۔ وہ رُبع صدی سے زیادہ عرصہ سے کانگریس تنظیم سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی مُہم میں بھی حصّہ لیا تھا۔ آندھرا پردیش میں جمعیت العلما کی تنظیم اور اس کے استحکام کے سلسلے میں بھی مسٹر یونس سلیم نے نُمایاں خدمات انجام دیں اور مسلمانوں کو قومی زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کے لیے تیار کیا۔
مسٹر یونس سلیم کا آبائی وطن لکھنؤ ہے لیکن ان کی ساری زندگی کا آغاز حیدرآباد میں ہوا اور اس وقت بھی وہ حیدرآباد کے مختلف اداروں سے وابستہ ہیں۔ وہ ۱۹۵۱ء میں بلدیہ کے رُکن بھی منتخب ہوئے تھے۔ مسٹر یونس سلیم جن کی عمر (۵۲) سال ہے، اُتر پردیش کے ضلع موہونا (ضلع لکھنؤ) میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ ہائی اسکول سے میٹرک کامیاب کرنے کے بعد حیدرآباد منتقل ہو گئے اور گریجویشن کے لیے عثمانیہ یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے اور عثمانیہ ہی سے بی اے، اور ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ مجلّہ عثمانیہ کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ حیدرآباد کے ممتاز اُردو روزنامہ پیام میں بھی آپ نے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ ۱۹۴۰ء سے وکالت کا آغاز کیا اور چند ہی برسوں میں ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے حیدرآباد میں کافی مقبول ہوئے۔ سابق حکومت حیدرآباد میں وہ محکمۂ انکم ٹیکس کے مُشیر کی حیثیت سے بھی کام کر چکے ہیں۔ ۱۹۶۶ء کے عام انتخابات میں مسٹر یونس سلیم نلگنڈہ پارلیمانی حلقہ سے بھاری اکثریت سے منتخب ہوئے۔ انھوں نے اپنے حریف ممتاز رائٹ کمیونسٹ قائد مسٹر دھرما بھکشم کو (۹۳) ہزار ووٹ کی اکثریت سے شکست دی۔

مسٹر یونس سلیم، عثمانیہ یونیورسٹی کی سینٹ کے بھی رُکن رہ چکے ہیں۔ حکومت ہند نے انھیں ۱۹۶۲ء میں (۲) سال کے لیے سینٹفک ڈرگس حیدرآباد کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کا رُکن نامزد کیا تھا۔

گرامس : نوٹاکار
فون : ۲۵۲۹۳
۷۰۰۹۳

مہادیشورا
لاری
سروس رجسٹرڈ

راموسینشن
نمبر ۹۔ فورتھ کراس۔ خلاصی پالیم لے اوٹ
بنگلور۔۲

مسیح حسن

اَدَبی ٹرسٹ حیدرآباد کے اَغراض و مَقاصد

زبان و ادب کی ترقی اور اس کے مستقبل کے تحفظ کی فکر عام طور پر ادبی حلقوں کو اسی وقت سے ستا رہی تھی، جب ہندوستان میں لسانی ریاستوں کا قیام عمل میں آیا اور اُردو ایک بے ریاست زبان بن کر رہ گئی۔ مختلف ادبی حلقوں اور انجمنوں نے مختلف راستے اختیار کیئے مگر منزل سب کی ایک ہی تھی اور ہے، اور وہ ہے اُردو کا استحکام۔ کہیں اُردو کی تعلیم اور امتحانات کے انعقاد کا انتظام کیا گیا تو کہیں تحقیقی کاموں، تصنیف و تالیف، جلسوں اور تقریروں پر زور دیا گیا۔ اُردو کو دستورِ ہند کے تحت اُس کا جائز حق دلانے کی کوششیں بھی ہوتی رہیں۔ عابد علی خاں، مدیر روزنامہ سیاست، مخدوم محی الدین اور ان کے ادبی حلقے کے احباب نے سوچا کہ ایک ادبی ٹرسٹ قائم کیا جائے تو زبان و ادب کی ترقی کے لیئے محدود پیمانے پر ہی سہی لیکن ایک مستقل اور دیرپا وسیلہ نکل آئے گا۔ اسی مفید اور مستحسن مقصد کے تحت اُردو زبان و ادب کے قدیم اور اہم مرکز شہر حیدرآباد میں ادبی ٹرسٹ کا قیام آج سے دو سال پہلے عمل میں آیا۔ ٹرسٹ کے پہلے صدرنشین نواب مہدی نواز جنگ تھے۔ موصوف کے انتقال کے بعد شری ایل۔ این گپتا صدرنشین منتخب ہوئے۔ ٹرسٹ کے اراکین جناب حامد علی عباسی، ڈاکٹر سید عبدالمنان، جناب مخدوم محی الدین اور جناب حبیب الرحمن ہیں۔ مسٹر ایم۔ اے قادر مشیر قانونی اور جناب عابد علی خاں مدیر روزنامہ سیاست ٹرسٹ کے سکریٹری ہیں۔

ادبی ٹرسٹ کا اوّلین مقصد اُردو کتابوں کی نکاسی ہے۔ اس کے پیشِ نظر عابد روڈ پر جو حیدرآباد کا تجارتی مرکز ہے کنارا بنک بلڈنگ میں ٹرسٹ کا بک ڈپو قائم کیا گیا۔ جس کا کاروبار کامیابی سے چل رہا ہے۔ چنانچہ پچھلے چند مہینوں میں جو کتابیں فروخت ہوئیں، ان سے ٹرسٹ کو پانچ ہزار روپے کا منافع ہوا۔ بک ڈپو کے قیام کی وجہ سے مقامی لکھنے والوں کی کتابوں

کی نکاسی ہو رہی ہے اور کئی ایسی کتابیں جو عرصے سے ان کے مصنفین اور مولفین کے پاس یُونہی رکھی ہوئی تھیں۔ اُن کے لیئے نہ صرف مقامی مارکٹ نکل آیا ہے بلکہ اُردو کے دوسرے شہروں تک بھی اُن کی رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ یہ سب اِس لیئے ممکن ہو سکا ہے کہ بک ڈپو کی جانب سے مناسب تشہیر کی جارہی ہے اور مُلک میں کتابوں کی فروخت کے متعدد مراکز سے تجارتی ربط پیدا کیا جا رہا ہے۔

بک ڈپو کا قیام ادبی ٹرسٹ کے پروگرام کا پہلا مرحلہ تھا۔ دوسرا مرحلہ اشاعت گھر کا قیام ہے اور توقع ہے کہ اس کی تکمیل اسی سال ہو جائے گی۔ حیدرآباد میں اُردو کتابوں کی اشاعت کی مناسب سہولتیں نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تصانیف اور تالیفات کے مسودے یا تو طباعت سے محروم ہو جاتے ہیں یا پھر بعض لکھنے والے اپنے ذاتی خرچ سے چھپوا لیتے ہیں۔ لیکن جو کتاب اس طرح چھپتی ہے اُس سے مصنّف کو فائدہ نہیں ہوتا۔ نہ صرف یہی بلکہ تشہیر و فروخت کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات بھاری نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ شہر کے بعض ادارے اور چند مطابع گاہے ماہے کوئی کتاب اپنی جانب سے شائع کرتے ہیں تو مصنف یا شاعر کو اُس کی ذہنی کاوش کا معاوضہ کتاب کے دس پانچ نسخوں سے زیادہ نہیں ملتا۔ ادبی ٹرسٹ کا اشاعت گھر اس بات کی کوشش کرے گا کہ اعلیٰ معیاری کتابیں چھاپی جائیں۔ مصنف اور مولف کو اُس کی محنت کا مناسب معاوضہ ملے۔ کتاب کے دام اس طرح مقرر کیئے جائیں کہ پڑھنے والے پر بھی نامناسب بار نہ پڑے۔ سارے ملک میں کتابوں کی تشہیر کی جائے اور حیدرآباد کی مطبوعات کی اُردو کے دوسرے شہروں میں کھپت کے لیئے ضروری طریقے اختیار کیئے جائیں۔ بک ڈپو کا کام تو چل ہی پڑا ہے، اشاعت گھر کی اسکیم بھی کامیابی سے آگے بڑھے تو ایک بڑی اور دیرینہ کمی پوری ہو جائے گی۔

ادبی ٹرسٹ کی آمدنی کا اہم ذریعہ سالانہ مشاعرہ ہے جس میں ممتاز مقامی شعرا کے علاوہ بیرونی مشاہیر شعرا حضرات بھی حصّہ لیتے ہیں۔ شعرا کے انتخاب میں معیار کے علاوہ مقبولیت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے تاکہ اعلیٰ ذوق رکھنے والوں کے علاوہ دوسرے سامعین بھی جن کی تعداد بہت بڑی ہوتی ہے محظوظ اور مستفید ہو سکے۔ ٹرسٹ کی آمدنی کا دوسرا ذریعہ عطیے ہیں۔ ادبی ٹرسٹ، نظامس چیریٹیبل ٹرسٹ، وزیر سلطان ٹوباکو کمپنی اور کنارا بنک کا ان کے گراں قدر عطیوں کے لیئے شکر گذار ہے۔

کتابوں کی اشاعت اور نکاسی کے علاوہ ادبی ٹرسٹ کا ایک اہم مقصد معذور اور مستحق شاعروں، ادیبوں اور ان کے متعلقین و پسماندگان کی مناسب مالی اِمداد ہے۔ اس وقت تک ٹرسٹ کے محفوظ سرمایہ میں چالیس ہزار روپے جمع ہو چکے ہیں جو بہت کم ہیں۔ سال دو سال کے بعد جب سرمایہ ایک لاکھ روپے تک پہنچ جائے گا تو مالی اِمداد کی اسکیم کو بھی عملی جامہ پہنایا جاسکے گا۔

اُردو ایک خالص ہندوستانی زبان ہے۔ حیدرآباد جو اس کا اوّلین گہوارہ تھا، آج اُردو کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ ادبی ٹرسٹ کے قیام کا مقصد اُردو زبان اور ادب کی خدمت اور استحکام ہے۔ اُردو کا حیدرآباد پر حق ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ

اِس روایتی شہر اُردو کے رہنے والے اُردو کے خدمت گذار اَدبی ٹرسٹ کو زیادہ موثر، مستحکم اور مفید بنانے میں کس حد تک ہاتھ بٹاتے ہیں۔

سلیمان اَریب

★

اَدبی ٹرسٹ بک ڈپو

اچھی معیاری علمی، ادبی اور فنی کتابوں کی اشاعت اور فروخت ——— کسی بھی زبان کی ترقی کے لیئے نہایت ضروری ہے۔

ہمارے ہی شہر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اس کا ثبوت مل جاتا ہے۔ چند برس پہلے تک اس شہر میں اُردو کی ہر اچھی کتاب دستیاب ہوتی تھی۔ لیکن اب تو یہ عالم ہے کہ سستی جاسوسی ناولوں اور مخربِ اخلاق افسانوں کی نام نہاد کتابوں کے سوائے اُردو کی کسی معیاری تصنیف کے لیئے، سارے شہر کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔

شہر کی سب سے بڑی شاہراہ پر، ادبی ٹرسٹ کے 'بک ڈپو' کے قیام سے پہلے، اُردو ادب کی معیاری کتابوں کی کوئی دوکان نہیں تھی۔ 'کتاب گھر' کبھی کا بند ہو چکا۔ مکتبۂ ابراہیمیہ کے نام سے نئی نسل واقف نہیں۔ عبدالرزاق اینڈ سنس کے کاروبار ختم ہو گئے۔ پُرانے شہر میں اُردو کتابوں کے لے دے کر چند چھوٹی موٹی دوکانات نظر آتی ہیں۔ لیکن ان میں بھی زیادہ تر درسی کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ اگر ادبی کتابیں ہوں بھی تو ان کا ذخیرہ کم رہتا ہے جو ایک لحاظ سے غنیمت ہے اور جن کے لیئے 'بک اسٹالس' قابلِ مبارکباد ہیں۔ شہر کے ایک کُتب فروش کے بیان کے مطابق ۲۰، ۲۵ سال پہلے، سالانہ تقریباً ۲۰، ۲۵ ہزار روپے کی کتابیں فروخت ہوا کرتی تھیں، وہاں اب پانچ چھ ہزار کی ادبی کتابوں کی نکاسی مشکل ہو گئی ہے

اُردو کے چند مخلص کارکنوں نے اِس صُورت حال کو بہتر بنانے کی مخلصانہ کوشش شروع کر دی اور ۳۰ ستمبر ۱۹۶۶ء کو،

ادبی ٹرسٹ کے قیام کے چند ماہ بعد ہی ۱۴ مئی ۱۹۶۰ء کو "کنارا بنک عابد روڈ کی عمارت میں ٹرسٹ کے بک ڈپو کا قیام عمل میں آیا۔ شاید بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ شہر کی سب سے بڑی اور بارونق شاہراہ پر "بک ڈپو کے لیئے جگہ کے حصول اور تجارتی پیمانہ پر ایک کتاب گھر کے قیام کے لیئے کسی سرمایہ کی ضرورت پیش نہ آئی اور ایک سال کی مدت میں بک ڈپو کو کتابوں کی فروخت سے ۵ ہزار روپے کا منافع ہوا۔ ہندوستان کے بڑے ناشرین اور رسائل اپنی مطبوعات خود بک ڈپو کو روانہ کرنے لگے ہیں۔ اس موقع پر یہ بھی ایک اہم حقیقت ہے کہ حیدرآباد میں شائع ہونے والی مطبوعات اس بک ڈپو کے ذریعہ سابق کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ فروخت ہوئیں۔

آندھرا پردیش میں ادبی ٹرسٹ اور اس کے بک ڈپو کے قیام نے سارے ہندوستان کے اُردو والوں میں زندگی کی ایک نئی لہر سی دوڑادی ہے۔ اس سلسلے میں نواب مہدی نواز جنگ مرحوم، مسٹر ایل۔ این گپتا، مسٹر مخدوم محی الدین، مسٹر محامد علی عباسی کی غیر معمولی دلچسپی کا بڑا دخل رہا ہے۔ بک ڈپو کے کاروبار کے فروغ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب اس کی تنگ دامانی کی شکایت پیدا ہوگئی ہے۔ حیدرآباد میں اب تک جتنی اُردو کتابیں شائع ہوئیں، ان کا شمار آسان نہیں ان میں بہت سی اچھی اور معیاری کتابیں برسوں سے دھری تھیں۔ ادبی ٹرسٹ کے توسط سے انھیں حاصل کیا گیا اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ ہاتھوں ہاتھ فروخت بھی ہورہی ہیں۔

ہمارے ملک کے بیشتر قائدین نے بک ڈپو کی کتاب الرائے میں جن نیک تمناؤں کا اظہار کیا ہے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حیدرآباد کے محبانِ اُردو کی یہ کوشش کس درجہ بارآور رہی۔

آج تو ادبی ٹرسٹ فخر کے ساتھ یہ کہنے کے موقف میں ہے کہ ــــــ

سائنس، تنقید اور شعروادب پر شائع ہونے والی کم وبیش سبھی معیاری اُردو کتابیں اس کے بک ڈپو میں موجود ہیں۔ بک ڈپو کے قیام کو ایک سال کی مدت گذر چکی ہے۔ اور اس اثنا میں اس نے ہندوستان کے ایک منفرد اور معیاری کتاب گھر کی حیثیت سے ہندوستان گیر شہرت حاصل کرلی ہے۔ ہندوستان کا ہر مصنف اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی تازہ تخلیق کی چند جلدیں ادبی ٹرسٹ کے بک اسٹال پر موجود رہیں۔ گذشتہ چند ماہ کے دوران اُردو کے بعض مصنفین نے انفرادی کوششوں سے جو کتابیں شائع کرائیں ان کی فروخت اور تشہیر میں بھی بک ڈپو نے نمایاں حصہ لیا۔

بک ڈپو نے اُردو پڑھنے والوں کے ذوق اور معیار میں بھی انقلابی تبدیلی پیدا کی ہے۔ چنانچہ اس کے توسط سے ادب کی ہر صنف سے متعلقہ کتابیں، کافی بڑی تعداد میں فروخت کی جارہی ہیں۔ ہر نئی کتاب کے وصول ہونے پر بک ڈپو کی جانب سے اشتہارات شائع کیئے جاتے ہیں۔ اور اس امر کی کوشش بھی کی جارہی ہے کہ ہر ماہ ایک "کتاب نما" کی اشاعت بھی عمل میں آئے ــ اُردو کتابوں کی فروخت کے لیئے سازگار ماحول پیدا کرنا کوئی آسان بات نہیں لیکن توقع ہے کہ اُردو دوستوں کے تعاون واشتراک سے ادبی ٹرسٹ کا بک ڈپو، ہندوستان کے مشہور اُردو کتاب گھروں میں شامل ہونے لگے گا۔

▲

ادبی ٹرسٹ کے دوسرے سالانہ مشاعرے (۱۹٦۷ء) میں شکیل بدایونی کلام سنا رہے ہیں۔
تصویر میں نواب میر احمد علی خاں، صدر انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش، پروفیسر زینت ساجدہ
جناب یونس سلیم صاحب اور جناب میر حسن (کنوینر) دیکھے جاسکتے ہیں۔
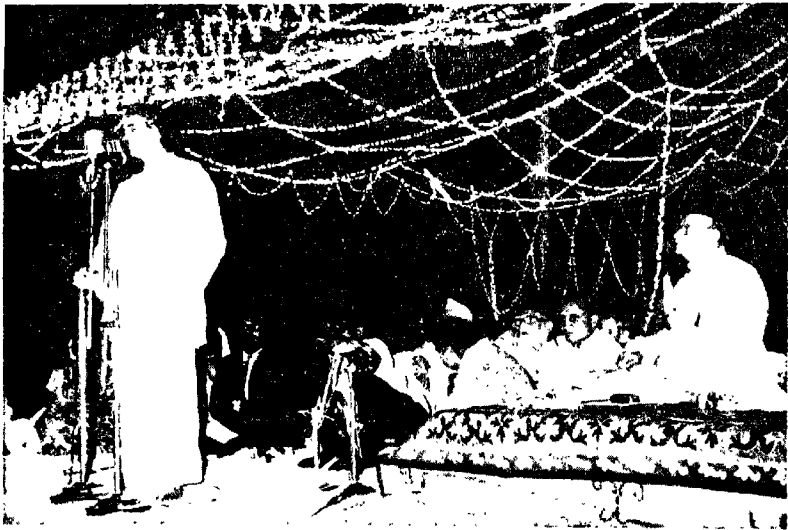
ادبی ٹرسٹ کے دوسرے سالانہ مشاعرے میں سردار جعفری کلام سنا رہے ہیں۔
شہ نشین پر نواب مہدی نواز جنگ، نریش کمار شاد، علامہ حیرت بدایونی، زینت ساجدہ
اور جناب میر قدرت علی ناصری دیکھے جاسکتے ہیں۔

ادبی ٹرسٹ کے دوسرے سالانہ مشاعرے میں حضرت رضا نظامی کاسوری کلام سنا رہے ہیں -
شہ نشین پر جناب یونس سلیم ، علامہ حیرت الہ آبادی اور جناب میر حسن (کنوینر) دیکھے جا سکتے ہیں

ادبی ٹرسٹ کے دوسرے سالانہ مشاعرہ میں سامعین کا ایک منظر

جناب فخرالدین علی احمد ، مرکزی وزیر اوقاف ادبی ٹرسٹ بک ڈپو میں ۔ تصویر میں مینجنگ ٹرسٹی جناب میر عابد علی خان ، جناب حبیب الرحمن جناب میر مقصود علی خان دیکھے جاسکتے ہیں ۔

جناب وی شنکر ، آی ۔ سی ۔ یس ، سکریٹری وزارت دفاع حکومت ہند ادبی ٹرسٹ بک ڈپو میں

جناب محمد علی صاحب، وزیر ٹرانسپورٹ و اطلاعات حکومت میسور ادبی ٹرسٹ بک ڈپو میں -
تصویر میں مسٹر بھاسکرا میں، میجر کمارا بیک، جناب عابد علی خاں، منیجنگ ٹرسٹی اور
جناب میر مقصود علی خاں، آفیسر کمارا بنک موجود ہیں -

جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر
ادبی ٹرسٹ بکڈپو میں اپنی رائے درج کر رہے ہیں

زاهد علی خاں

آندھرا پردیش میں اردو کا موقف

ریاستِ آندھرا پردیش کی تشکیل کے فوراً بعد ہی، ہندوستان کی اس پہلی لسانی ریاست کے چیف منسٹر، مسٹر نیلم سنجیوا ریڈی نے اُردو بولنے والوں کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ آندھرا پردیش میں تلگو کے ساتھ ساتھ اُردو کو بھی پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کے تمام مواقع اور تمام سہولتیں حاصل رہیں گی۔ کیونکہ اُردو بھی ریاستِ آندھرا پردیش کی ایک اہم زبان ہے۔

لسانی تنگ نظری کے اندھیرے میں مسٹر نیلم سنجیوا ریڈی کے اس اعلان کا وسیع النظر اور صائب الرائے اصحاب نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اور خود مسٹر جواہر لال نہرو نے کانگریس کے گوہاٹی اجلاس میں، چیف منسٹر آندھرا پردیش کے اس اعلان کی تعریف کرتے ہوئے، توقع ظاہر کی کہ دوسری ریاستیں بھی لسانی اقلیتوں کے تعلق سے حکومت آندھرا پردیش کی تقلید کریں گی۔

آندھرا پردیش کے دوسرے چیف منسٹر مسٹر دامودرن سنجیویا نے آندھرا پردیش اُردو کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ ان کی حکومت بھی اُردو کے متعلق مسٹر سنجیوا ریڈی ہی کی پالیسی پر کاربند رہے گی۔ ہمارے موجودہ چیف منسٹر مسٹر برہمانند ریڈی نے بھی اُردو زبان کی اہمیت کو بارہا تسلیم کیا ہے اور ایک بڑے اجتماع میں انھوں نے اُردو دانوں کو اس کا یقین بھی دلایا تھا کہ اُردو کو اس کا جائز مقام دیا جائے گا۔ لیکن جب سرکاری

زبان کا مسودۂ قانون پیش ہوا تو اُردو والوں کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ سابق تیقنات کے برعکس اس میں اُردو کا کہیں بھی ذکر نہ تھا۔ انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے صُورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مسودۂ قانون میں بعض ترمیمات پیش کیں، جو سابقہ تیقنات اور وعدوں پر مشتمل تھیں۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان تیقنات اور وعدوں کو جو ریاست کے اُردو بولنے والوں سے کیئے جاتے رہے ہیں، قانونی شکل دی جائے تاکہ نظم و نسق کے کارندوں کو ان کی خلاف ورزی کی جسارت نہ ہو۔ انجمن کی ان ترمیمات کی تائید میں ریاست کے طُول و عرض میں یوم اُردو منایا گیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے حامیوں میں تلگو بولنے والوں اور کانگریسیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اِس تحریک کے زیر اثر ریاستی حکومت نے قانون سرکاری زبان میں اُردو کا ذکر تو کیا لیکن اسے ریاست میں بولی جانے والی دیگر لسانی اقلیتوں ہی کا موقف دیا گیا۔ حالانکہ حکومت کو اس بات کا علم ہے کہ ریاست میں اُردو بولنے والوں کی تعداد ۲۶ لاکھ سے زیادہ ہے اور تلگو کے بعد اُردو ہی ریاست کی بڑی اور اہم زبان قرار پاتی ہے!۔ یہی نہیں بلکہ قانون سرکاری زبان کے ذریعہ اُردو کو باقی اور برقرار رکھنے کی ایک مُدت بھی مقرر کر دی گئی۔ اس طرح اُردو والوں نے اب تک جو حقوق حاصل کیئے تھے، انھیں محض عارضی اور موقتی قرار دیا گیا۔

اُردو والوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے ان اقدامات کے علاوہ دسمبر ۱۹۶۶ء میں ایک پریس نوٹ جاری کیا گیا، جس میں اس اَمر کی وضاحت کی گئی کہ ۲۶ر جنوری ۱۹۶۶ء سے ریاست کے ۲۳ سرکاری دفاتر میں سرکاری مراسلت کے لیئے انگریزی کے بجائے تلگو زبان استعمال کی جائے گی۔ اِس اعلامیہ میں بھی اُردو کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً اُردو والوں کو یہ شُبہ پیدا ہوا کہ اُردو کے سرکاری اغراض کے تحت استعمال سے متعلقہ قانون میں جو تھوڑی بہت گنجائش نکالی گئی تھی اس کو ریاستی حکومت ختم کرنا چاہتی ہے۔ انجمن ترقی اُردو نے اِس پر نمایندگی کی اور حکومت اپنے موقف کی وضاحت پر مجبور ہو گئی۔ وضاحتی اعلامیہ میں صرف یہ بتایا گیا کہ

> بعض مقاصد کے لیئے انگریزی کی بجائے تلگو کا استعمال ہوگا اور اِس تبدیلی سے اُردو اور دیگر اقلیتی زبانیں متاثر نہیں ہوں گی۔

حکومت کے اس مذبذب رویّے سے اُردو والوں کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ مُستزاد یہ کہ ریاستی حکومت نے سہ لسانی فارمولے پر کاربند رہنے کا اعلان بھی کیا ہے۔

سہ لسانی فارمولے کے تجزیئے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بھی اُردو والوں کے حقوق و مفادات کے تحفّظ کی کوئی ضمانت نہیں دیتا۔ اِس فارمولے کے تحت ملک ۸ لسانی منطقوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ شمالی ہند کے منطقے میں جو اُتر پردیش، بہار، مدھیا پردیش اور راجستھان پر مشتمل ہوگا۔ علاقائی زبان ہندی ہوگی اور دیگر دو زبانیں سنسکرت اور انگریزی یا سنسکرت یا جنوبی ہند کی کوئی زبان ہوگی۔ دوسرا منطقہ ہریانہ کا ہوگا۔ اس میں علاقائی زبان ہندی اور دیگر زبانیں گورمکھی اور انگریزی ہوں گی پنجاب کے منطقے میں علاقائی زبان پنجابی اور دیگر دو زبانوں میں ایک ہندی اور دوسری انگریزی ہوگی۔ بنگال میں علاقائی زبان بنگلہ اور دیگر دو زبانوں میں ایک ہندی اور دوسری انگریزی ہوگی۔ آسام میں علاقائی زبان آسامی اور دیگر دو زبانیں بنگلہ اور

انگریزی ہوں گی۔ اُڑیسہ میں علاقائی زبان اڑیہ' اور دیگر دو زبانیں ہندی اور انگریزی ہوں گی۔ جنوبی ہند کی ریاستوں میں متعلقہ علاقائی زبان کے علاوہ' انگریزی اور جنوبی ہند ہی کی کوئی دوسری زبان کی درس و تدریس کا انتظام کیا جائے گا۔ مہاراشٹرا اور گجرات کے منطقہ میں علاقائی زبان مرہٹی اور گجراتی اور دیگر دو زبانوں میں سے ایک ہندی اور دوسری انگریزی ہوں گی۔

اِس پس منظر میں ضرورت اس بات کی ہے کہ آندھرا پردیش کے اُردو بولنے والے اپنی زبان کے لیئے ایک واضح قانونی موقف کا مطالبہ کریں۔ اُردو دانوں کے اِس مطالبہ کو جو لوگ فرقہ واریت کے مترادف قرار دے رہے ہیں وہ حقائق رواقعات اور تاریخی شواہد کو نظرانداز کر رہے ہیں۔

وزیرِاعظم شریمتی اِندرا گاندھی نے چند دنوں پہلے دہلی میں انجمن ترقی اُردو کی موجودہ عمارت "اُردو گھر" کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے کہا تھا کہ :

"اُردو ایک ایسی زبان ہے جس کی بناوٹ اور
ترقی میں سارے مذاہب کے ماننے والوں
نے حصہ لیا ہے یہ زبان ایسی ہے جس نے
ہندوستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں
کے الفاظ بلا تامّل قبول کر لئے۔ وہ تو ہندوستان
کی ملی جُلی اور رنگا رنگ تہذیب کی نمایندگی
کرتی ہے"

اِس سے ہٹ کر خود انجمن ترقی اُردو کے قیام اور اس کی ترقی کی تاریخ بھی اُردو کے غیر مذہبی اور سیکولر کردار کی نمایندگی کرتی ہے۔ چالیس سال قبل انجمن نے اپنی تاسیس کے ابتدائی دنوں میں ایسے ۸۶ سرپرست بنائے تھے جنھوں نے اسے ۵۰۰ تا ۵۰۰۰ ہزار روپے کے عطیے دیئے۔ ان میں سے سات انگریز ۲۳ ہندو تھے۔ ہندو سرپرستوں میں'— راجہ امانت راؤ اور مہاراجہ بلونت جاگیردار دوم کنٹڈہ کے اُسمائے گرامی سرفہرست تھے۔ انجمن نے اپنا سب سے پہلا انعام منشی نارائن پرشاد ورما کو دیا تھا۔ اور جس کتاب پر یہ انعام دیا گیا تھا اُس کا نام تھا۔ "پیغمبرانِ ہند"۔

اُردو کا یہی کردار بدلے ہوئے حالات میں اس کی بقا اور ترقی کا ضامن ثابت ہو رہا ہے۔ اُردو دانوں کو اب تک جائز قانونی تحفظات نہیں ملے ہیں۔ یہ زبان بتدریج اپنی عظمت اور اپنی مقبولیت کا خراج وصول کرتی جارہی ہے۔ چنانچہ فی الوقت اُردو ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان ہے۔ ریاست ہماچل پردیش میں بھی اُسے لازمی زبان قرار دیا گیا ہے' اور آندھرا پردیش میں بھی اُسے علاقائی زبان تلگو کے بعد ریاست کے عوام کی ایک قابلِ لحاظ اکثریت کی زبان ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن جہاں تک ہماری ریاست کا تعلق ہے' اُردو دانوں اور اُردو اداروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اُردو کے اس موقف کو قانونی حیثیت دلانے کی آئینی جدوجہد کریں۔ تلگو دانوں کا رویہ ہمارے ساتھ انتہائی دوستانہ ہے۔ اور ریاست کے چیف منسٹر مسٹر برہمانند ریڈی اور دیگر اربابِ مجاز کی نیک نیتی اور خلوص پر شک بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ▲

اُردو
کیلئے
ریاستی حکومت
کے
احکامات

۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء کو بین الکلیاتی اُردو فیسٹیول میں اُس وقت کے چیف منسٹر مسٹر نیلم سنجیوا ریڈی کی تقریر کے اہم اقتباسات :-

ا۔ ریاستی حکومت نے اُردو کی اہمیت کو باقی اور برقرار رکھنے اور اسے تلگو کے مساوی مرتبہ دینے کا تہیہ کرلیا ہے۔

ب۔ دونوں زبانوں کو دوش بدوش ترقی کرنا چاہیئے۔

ج۔ ریاست کی ایک زبان کی حیثیت سے آندھرا پردیش میں اُردو کا چلن اور رواج باقی رہے گا۔

انجمن ترقی اُردو کے زیرِ اہتمام دسمبر ۱۹۶۱ء میں منعقدہ
'آندھرا پردیش اُردو کانفرنس میں چیف منسٹر مسٹر ڈی سنجیویا
کی تقریر کے اہم نکات:

۱۔ اُردو کو ریاستِ آندھرا پردیش میں علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے اور طے پایا ہے کہ:
ا۔ سرکاری سروسیوں میں اُردو داں افراد کی بھرتی پر کوئی تحدید یا پابندی عائد نہ کی جائے۔
ب: اُن ریاستی اور سب آرڈی نیٹ سروسیس جن کے لیے امتحانی مقابلہ زبانِ دوم میں لیا جا سکتا ہے۔ اُردو ہی کو زبانِ دوم کا مرتبہ حاصل رہے گا۔ اور اس سلسلے میں اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائے گا کہ اُردو داں اُمیدواروں کی تعداد کتنی ہے۔
ج: تلنگانہ کے تمام اضلاع کے علاوہ گنٹور، کرنول اور کڑپہ کی اُن منسٹریل اور جوڈیشیل منسٹریل سروسیس کے لیے جن میں علاقائی زبان سے واقفیت ضروری ہوتی ہے' اُردو کو بھی علاقائی زبان سمجھا جائے گا۔
د: ان ملازمتوں کی حد تک' جن میں تلگو ٹسٹ کی کامیابی کا اعلیٰ عہدہ پر ترقی کے سلسلے میں لحاظ رکھا جاتا ہے، اگر کوئی اُردو داں ملازم تلگو کا ٹسٹ کامیاب نہ کرے تو اسے صرف اسی بناء پر ترقی سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔ ایسی صورت میں اُردو داں ملازم کو تلگو ٹسٹ کی کامیابی کے لیے کچھ دنوں کی مُہلت دی جائے گی۔
ھ: سرکاری ملازمتوں میں داخلے کے لیے ہندی یا اُردو نہ جاننے والے اُمیدواروں کو سب سے پہلے ان میں سے کسی ایک زبان میں واقفیت حاصل کرنا' اور ٹسٹ میں کامیابی ضروری ہوگی۔
۲۔ اہم سرکاری اعلامیئے اور پریس نوٹ اُردو میں بھی جاری کیئے جائیں گے۔
۳۔ (الف) اضلاع تلنگانہ میں ضلع پریشد کے اجلاسوں کی رُوداد' تلگو کے علاوہ اُردو میں بھی مُرتب کی جائے گی۔ گنٹور، کرنول اور کڑپہ کے ضلع پریشدوں کے لیے بھی اِس اصول کی پابندی لازمی ہوگی۔ اگر کسی پنچایت سمیتی سے متعلقہ آبادی کا ۱۰ فیصد اُردو داں اصحاب پر مشتمل ہو تو ان پنچایت سمیتیوں کی رُوداد تلگو کے علاوہ اُردو میں بھی مرتب کرنی ہوگی۔
ب: مجالس بلدیہ کی حد تک بھی' اسی اُصول کی پابندی کی جائے گی۔
۴۔ جو درخواستیں اُردو میں وصول ہوں اُن کا جواب بھی اُردو میں دیا جائے گا۔
۵۔ سکریٹریٹ سروسیس کی حد تک بھی اُردو کو علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے۔
۶۔ ایسی گزیٹیڈ اور نان گزیٹیڈ جائیدادوں کی حد تک جن پر تقرر کے لیے زبانِ دوم کے امتحان کی کامیابی ضروری قرار دی گئی ہے' اُردو کو زبانِ دوم کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے گا۔

نمائش میدان میں ۱۸ر جولائی ۱۹۶۵ء کو منعقدہ
ایک بڑے جلسے میں چیف منسٹر شری برہمانند ریڈی
نے اس بات کا یقین دلایا کہ سرکاری زبان بل پر
غور و خوض کے وقت اُردو کی علاقائی اہمیت کو
کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اور
ریاست آندھرا پردیش کے قیام کے وقت پہلے
چیف منسٹر شری سنجیوا ریڈی نے اُردو والوں کو جو
تیقنات دیئے تھے، اُن سے انحراف نہیں کیا جائیگا۔

آندھرا پردیش سرکاری زبان بل

مطبوعہ جریدہ غیر معمولی ۷۔ دسمبر ۱۹۶۵ء

حسب ذیل مسودۂ قانون ۴ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو ریاستی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔

ایل۔ اے۔ بل نمبر ۲۳ بابتہ ۱۹۶۴ء

یہ بل، ہندوستان کے جمہوریہ بننے کے پندرھویں اور ریاستِ آندھرا پردیش کے قیام کے بارھویں سال سے نافذ العمل ہوگا۔

۱۔ (الف) قانونِ ہٰذا آندھرا پردیش سرکاری زبان قانون ۱۹۶۴ء کے نام سے موسُوم ہوگا۔
(ب) اس کا اطلاق سالم ریاستِ آندھرا پردیش پر ہوگا۔

۲۔ ریاستِ آندھرا پردیش کی علاقائی زبان تلگو ہوگی۔

۳۔ ریاستی حکومت وقتاً فوقتاً جاری کیئے جانے والے اعلامیوں کے ذریعہ اس اَمر کی وضاحت کرتی رہے گی کہ کن سرکاری مقاصد کے لیئے تلگو استعمال کی جائے۔

۴۔ (الف) اسمبلی میں پیش کیئے جانے والے مسودہ ہائے قوانین، ترمیمات، منظورہ بلز اور گورنر کے جاری کردہ آرڈی ننس میں یہی زبان استعمال ہوگی۔

(ب) احکام، قواعد، ریگولیشنس اور ذیلی قوانین وغیرہ جو کہ قانون کے تحت یا پارلیمنٹ اور اسمبلی کی جانب سے

جاری کیے جائیں، اسی زبان میں ہوں گے۔

(ج) عدالتوں، ورٹریبونلس میں، حلف نامے، سمن، فیصلے کے دستاویزات اور ایوارڈس وغیرہ بھی اسی زبان میں جاری کیے جائیں گے۔

(د) اسکولس، کالجس، اور تعلیمی اداروں میں حکومت کے جاری کیے جانے والے اعلامیوں کے مطابق اسی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے گا۔ مذکورہ بالا ذیلی فقروں (ا) تا (د) کے نفاذ کے لیے حکومت تواریخ کا تعین کرے گی۔

پیش کنندہ

واؤ پلالہ گوپال کرشنیا رکن اسمبلی

- انجمن ترقی اُردو نے مسودہ سرکاری زبان بل میں حسب ذیل ترمیمات پیش کیں:-
- فقرہ نمبر (۲) میں حسب ذیل اضافہ کیا جائے:-

اُردو کو بھی سرکاری اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے جس کی وقتاً فوقتاً وضاحت کی جائے گی، علاقائی زبان قرار دیا جائے گا۔

- فقرہ (۳) میں "تلگو" کے بعد "اُردو" کا بھی اضافہ کیا جائے۔
- فقرہ (۴) کو چار ذیلی فقروں میں بانٹ کر سرکاری اعلامیوں، بلوں، قوانین اور آرڈیننسوں وغیرہ کے تلگو کے ساتھ اُردو میں بھی اجراء کی گنجائش نکالی جائے۔

احسن علی مرزا

ادبی ٹرسٹ اور مشاعرے

مشاعروں کی تہذیبی اور ثقافتی اہمیت و انفرادیت کا اندازہ، صرف اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُردو کے سوا غالباً دُنیا کی کسی اور زبان میں شاعروں کو سُننے اور اُن کے کلام کی داد دینے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے۔ فارسی ادب کی تاریخ میں بھی جس سے اُردو شاعری نے کافی اِکتساب کیا ہے، مشاعروں کے برپا کیے جانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ انگریزی کی ہمہ گیری کے باوجود انگریزی کے مشاعروں کے اِنعقاد کی خبر سُننے میں نہیں آتی ورڈزورتھ اور ٹینی سن بیچاروں کو، حضرت غالؔب کی طرح، داد کہاں ملی ہوگی۔ اُردو کے مشاعرے، ایک تحریک اور انسٹی ٹیوشن کی حیثیت سے اب، ویسے نہیں رہے جیسے مصحفی اور انشا کے دَور میں ہوا کرتے تھے۔ لیکن جہاں جہاں بھی اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہے، اور جہاں بھی اس زبان کے شاعر موجود ہیں، سمجھ لیجئے کہ وہاں کا ہے ماہے مشاعرے ضرور منعقد ہُوا کرتے ہیں۔

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے، مَیں نلگنڈہ کے ایک چھوٹے سے موضع میں پیشکار مال کی حیثیت سے دَورہ کر رہا تھا۔ صبح میں مُرغ و ماہی کی دعوت سے فارغ ہو کر میں، سرِ شام گاؤں کی چاوڑی میں بیٹھا تھا کہ مقامی پرائمری اسکول کے ڈرائنگ ماسٹر صاحب تشریف لائے بڑے ہی وضعدار، گھٹنوں سے نیچے شیروانی، چوڑی دار پاجامہ، سر پر دوپلی میں نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ رسمی بات چیت اور ایک دوسرے کے تعارف کے بعد انھوں نے قدرے شرماتے ہوئے بتایا کہ وہ فرصت کے اوقات میں شعر کہتے ہیں۔ نام رحیم الدین تخلص رحیؔم۔ مَیں نے بڑے ہی شوق سے ان سے غزل سُنانے کی درخواست کی۔ ڈرائنگ ماسٹر صاحب نے کہا:

"میں بھی اسی غرض سے حاضر ہوا تھا کہ کچھ آپ سے سُنوں اور اپنی چند غزلیں آپ کو سُناؤں۔ لیکن اِس گاؤں

یہاں دُو اور شعرا بھی ہیں، کہیئے تو اُنھیں بھی لے آؤں!

میں حیران تھا کہ اس گاؤں میں بھی جہاں مشکل سے ڈیڑھ دو سو گھر ہوں گے، ایک نہیں، تین شاعر کہاں سے ٹپک پڑے ہوں گے کہ ڈرائنگ ماسٹر صاحب دو اور بزرگواروں کے ساتھ تشریف لے آئے اور ساری رات محفلِ مشاعرہ گرم رہی ... . اُردو ادب اور بالخصوص شاعری نے عصری رُجحانات کے تحت، کتنے ہی رنگ بدلے، لیکن ہر رنگ کے شعرا، مشاعرے میں ضرور مل جائیں گے۔ عروض و بحور کے پابند بھی، اور وہ نئی نسل بھی جو نغمگی اور صوتی ہم آہنگی کو نثر اور شعر کے مابین حدِ فاصل قرار دینے کے لیے تیار نہیں۔ ترقی پسند بھی۔ اور رنگلے وقتوں کے ثنا خواں و مدّاح بھی۔ غزل گو اور نظم کہنے والے بھی! کوئی بھی مشاعرہ آپ کو مختلف اصنافِ سخن سے بآسانی رُوشناس کرا دے گا۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں بھی مشاعروں نے کافی گرمی پیدا کی۔ حضرت جگر، فیض احمد فیض، مخدوم، مجاز، سردار جعفری، جذبی، جاں نثار اور جوش، اس دَور کے مشاعروں کی رُوحِ رواں سمجھے جاتے تھے اور ان کی انقلابی نظمیں، عوام کو انگریزی سامراج کے خلاف متحرک اور مایل بہ عمل ہونے کی دعوت دیتیں۔ دکن میں ان ہی دِنوں مخدوم کی ـــــ "جنگِ آزادی" کی صدائے بازگشت سُنائی دیتی رہی اور مخدوم کے ساتھ اس کے ہزاروں سُننے والے بھی قافلۂ انقلاب کی راہ دیکھتے دیکھتے "گذر بھی جا" کا نعرہ لگانے لگے۔

"مخدوم" کا رجز، حاکمانِ وقت پر بڑا گراں گزرا، اور اس جانِ مشاعرہ کو "طوق و سلاسل" کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ سلیمان اریب کو بھی جُنونِ آزادی نے سلاخوں کے پیچھے پہونچا دیا۔ ان کے علاوہ دوسرے کئی شعرا کو بھی پھانسیوں کے سایہ میں آزادی کے گیت لکھنے اور گانے کے صبر آزما تجربے سے دوچار ہونا پڑا ـــــ یہ دَور بھی گُزرا اور آزادی کی کرن اندھیروں کا دِل چیر کر، ہماری بے نور آنکھوں تک پہونچی تو کشت و خون کا ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ انسان اپنی شریفانہ روایات کو چھوڑ کر درندگی پر اُتر آیا اور اس دورِ ابتلا میں بھی، شاعرہ ہی میں کسی نے ہمارا شانہ ہلا کر پُوچھا "یہ کس کا لہو ہے کون مرا"؛ غرض مشاعرے وقت کی آواز بن کر، ہمیں شرافت ـــــ و انسانیت کی طرف بُلاتے رہے ـــــ! مزدور، سرمایہ داری، سوشلزم، نیا سماج، جانے کتنے تصوّرات ہم نے شعر و اَدب کی ان ہی محفلوں سے اخذ کیئے۔ مشاعروں میں شمع کی بجائے بلب جلنے لگے، اور اس روشنی میں ہم نے محسوس کیا کہ ہم کدھر چل پڑے ہیں۔

گذشتہ چند دنوں سے، اُردو پر رجعت پسندوں اور فرقہ پرستوں کے تابڑ توڑ حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کی آفاقیت کا گلا گھونٹ کر، اس پر مذہب و فرقہ کے لیبل لگائے جا رہے ہیں۔ اسے اجنبی زبان قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور شمالی ہند میں، اُردو دشمنی کا یہ سیلاب، اب تک ہمارے قابلِ فخر ملے جُلے تہذیبی ورثہ کا بہت بڑا حصّہ بہا لے گیا ہے۔ جنوب اور بالخصوص آندھرا پردیش میں اسے پناہ مل گئی ہے۔ تلگو بولنے والوں کی اِس سرزمین نے جو قطب شاہوں کے مزاج و خمیر کی نمایندگی کرتی ہے، نہرو کی وسیع النظری اور فراخ دلی کو اپنا نصبُ العین قرار دیکر اس زبان کی شریفانہ روایات کو اپنی متاعِ بے بہا کی حیثیت دی۔ اور یہ خطّہ اُردو کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں

کا مرکز بن گیا۔ وقت اور زمانے کے استداد نے اُردو کے جن صنم خانوں کو نقصان پہنچایا تھا، بتدریج اس کی تلافی ہونے لگی اور وہ وقت بھی آیا جب کہ دہلی اور لکھنؤ کے صاحبانِ فکر کو بھی جو اہلِ زبان کہلاتے تھے، آندھرا پردیش پر رشک آنے لگا۔ اس زبان کے خاموش خدمت گذاروں میں نواب مہدی نواز جنگ مرحوم کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ جنھوں نے مدیر روزنامہ "سیاست" جناب عابد علی خاں کے ادبی ٹرسٹ قائم کرنے کی دیرینہ آرزو کی پذیرائی کے امکانات پیدا کر دیئے، اور ادبی ٹرسٹ کے زیر اہتمام "پھر ایک بار" ادب و شعر کی ترقی کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے کی مخلصانہ اور کامیاب کوشش کی جا رہی ہے۔ اُردو ادیبوں اور شاعروں کی بے بضاعتی کے پیشِ نظر چند مخلصین نے، جن میں راجے جانکی پرشاد، جناب حبیب الرحمٰن صاحب، جناب بدھ ودیر صاحب مدیر طلاب، مخدوم، راج بہادر گوڑ اور جناب محانہ علی عباسی نے، ان کی تازہ تخلیقات کی اشاعت و نکاسی کے انتظامات کا تہیہ کر لیا۔ اور سنہ ۱۹۶۶ء میں ٹرسٹ کے قیام سے پہلے ہمہ مقصدی مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ جس میں مقامی شعرا کے علاوہ ـــــــ، کیفی اعظمی، جگن ناتھ آزاد، مینا قاضی اور بیکل اُتساہی نے بھی شرکت کی۔

یہ مشاعرہ اپنی سنجیدگی اور دلچسپی کے اعتبار سے، ایک یادگار تہذیبی تقریب ثابت ہوا۔ اس یادگار مشاعرہ کی صدارت، ڈاکٹر ایم۔ چنا ریڈی نے کی جو فی الوقت مرکزی وزیر فولاد ہیں۔ اس مشاعرہ کی قابلِ لحاظ آمدنی نے ادبی ٹرسٹ کے قیام کی راہیں ہموار کر دیں اور حیدرآباد کے عوام نے بھی اس مقصد کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ جناب عابد علی خاں کی پُر خلوص مساعی سے بالآخر ۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۶۶ء کو ادبی ٹرسٹ کی رجسٹری عمل میں آئی اور نواب مہدی نواز جنگ نے ٹرسٹ ڈیڈ پر بحیثیت چیرمین اپنے دستخط ثبت کیے۔

ادبی ٹرسٹ کے زیر اہتمام ۳ مئی سنہ ۱۹۶۷ء کو جو دوسرا سالانہ ہمہ مقصدی مشاعرہ منعقد ہوا، اُس وقت بھی نواب ممدوح بقیدِ حیات تھے۔ انھوں نے ادبی ٹرسٹ کے بُک اسٹال کی رسمِ افتتاح کی صدارت بھی کی۔ ادبی ٹرسٹ کا دوسرا مشاعرہ ہر حیثیت سے بے حد کامیاب رہا۔ اس کی صدارت ریاست کے سابق وزیر داخلہ نواب میر احمد علی خاں نے کی اور اس یادگار محفل نے، وحید کے اس دعوے کی توثیق کر دی کہ ؎

دو سو برس میں وحید، سراج اور ولی کے بعد
اُٹھے ہیں جھومتے ہوئے ارضِ دکن سے ہم

اس مشاعرہ میں، تمام سرکردہ مقامی شعرا کے علاوہ مینا قاضی، نریش کمار شاد، فنا نظامی کانپوری، سکندر علی وجد، سردار جعفری اور شکیل بدایونی نے اپنا کلام سنا کر دس ہزار سے زیادہ سخن شناس سامعین کی داد و تحسین حاصل کی۔ اس مشاعرہ نے ادبی ٹرسٹ کو اور زیادہ استحکام بخشا اور جناب عابد علی خاں صاحب کے الفاظ میں اب ٹرسٹ (۳۰) ہزار روپے کے سرمایہ کا حامل بن گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ادبی بُک اسٹال نے بھی مئی سنہ ۱۹۶۷ء سے ختم مارچ سنہ ۱۹۶۸ء تک تقریباً ۵ ہزار روپے کی اُردو کتابیں فروخت کی ہیں۔ ان میں ہزاروں روپے کے وہ آرڈرز شامل نہیں ہیں جو حال ہی میں ضلع پریشد، مجالس بلدیہ اور دیگر سرکاری لائبریریوں کو اُردو کی کتابوں کی سربراہی کے لیے حاصل کیے گئے ہیں ـــــــ

مشاعروں اور ادبی اجتماعات کو ادبی ٹرسٹ نے ایک نئی رُوح عطا کی ہے۔ اِس دَور میں جب کہ زبان کا مسئلہ انتشار و افتراق کا سبب بن گیا ہے۔ اُدبی ٹرسٹ کے اربابِ مجاز قابلِ مبارکباد ہیں کہ وہ ہر سال اُردو کے سرکردہ شاعروں کو اکٹھا کر کے ان کا پیغامِ محبت سُننے اور کشمکشِ حیات سے بیزار عوام کے دلوں میں جینے کا حوصلہ اور زندگی سے پیار کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اِس طرح، اُردو کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا گُر بھی سکھاتے ہیں۔

صلاح الدین نیر

آندھرا پردیش میں اُردو کے اِدارے

● انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش

حیدرآباد کے اُردو بولنے والوں پر ایک ایسا دَور بھی آیا تھا کہ اُردو بولنے والے اپنی زبان کا نام لینے سے گھبراتے تھے۔ ریاست کے بدلے ہوئے حالات میں دِلوں پر ایسی اُداسی چھائی ہوئی تھی کہ اپنی مادری زبان کی ترقی و ترویج تو کیا، اس کی حفاظت و صیانت کے لیئے بھی سہمے ہوئے تھے۔ لیکن اُن صبرآزما حالات میں بھی اُردو کے پریمیوں نے ہمت نہیں ہاری۔ ۱۹۵۰ء میں انجمن ترقی اُردو (ہند) کی شاخ کی حیثیت سے حیدرآباد میں انجمن ترقی اُردو حیدرآباد کا احیاء عمل میں آیا۔ انجمن کی صدارت نواب اکبر یار جنگ کو سونپی گئی اور جناب حبیب الرحمٰن صاحب (سابق سکریٹری محکمہ صنعت و حرفت) کو معتمدی کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ غیر یقینی حالات میں ۱۹۵۴ء میں حیدرآباد میں ریاستی اُردو کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس اُردو کے پرستاروں کے لیئے فالِ نیک ثابت ہوئی۔ پنڈت کشن کول الکھنوی کی صدارت میں یہ کانفرنس نہایت کامیاب رہی۔ اس کامیاب کانفرنس کے بعد کارکنانِ انجمنِ ترقی اُردو کے حوصلے بڑھے اور کام کرنے کی لگن پیدا ہوئی۔ مایوسی، اُمید کا رُوپ دھارنے لگی۔ اُردو والوں کے لیئے ایک مرکزی مقام کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ جناب سجاد مرزا صاحب کے پندرہ ہزار روپے اور جناب حبیب الرحمٰن صاحب کے زمین کے عطیے سے اُردو ہال کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ اُسی سال ہندوستان کے عظیم رہنما پنڈت جواہر لال نہرو نے علمی، ادبی، ثقافتی مرکز اُردو ہال کے ایک حصّے کا افتتاح کیا۔ جیسے ہی اُردو ہال کی بنا پڑی، یہاں کے اُردو بولنے والوں میں اُردو کی ترقی و ترویج، تحفظ و صیانت کا خیال پیدا ہوا، اور ان کے دِل میں جوش و خروش کی ایک لہر دَوڑ گئی۔ اُردو ہال کے افتتاح کے دوسرے سال (۱۹۶۲ء) میں

انجمن ترقی اُردو کی اعانت سے اُردو کالج کا قیام عمل میں آیا۔ ابتدا میں اس کالج میں انٹرنس، ٹاپ۔ او۔ ایل' بی۔ او۔ ایل' کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ جاریہ سال سے ایم۔ او۔ ایل (عثمانیہ) کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سیاسی تبدیلی کے بعد یہاں کے اکثر چھوٹے چھوٹے کتب خانوں کی کتابیں اور بہت سے صاحب ذوق حضرات کی نایاب کتابیں، مختلف مقامات پر فروخت ہونے لگیں۔ ایسے عالم میں انجمن ترقی اُردو نے اُردو ہال میں ایک نئے مرکزی کتب خانے کی بنیاد ڈالی۔ انجمن کی خواہش پر ایسی کتابیں جو مختلف مقامات پر غیر محتاط انداز میں فروخت کی جارہی تھیں، وہ انجمن ترقی اُردو کے حوالے کی گئیں۔ اس وقت انجمن کے کتب خانے میں پانچ ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ انجمن کے زیر اہتمام ایک دارالمطالعہ بھی چلتا ہے، جس میں ہندوستان بھر کے اخبار، رسالے، قارئین کے لیے مُہیّا کیے جاتے ہیں۔

حیدرآباد کے اکثر محلوں میں دارالمطالعے قائم تھے، لیکن بدلے ہوئے حالات نے اُن کا ساتھ نہیں دیا۔ پھر بھی انجمن ترقی اُردو کی ترغیب اور اس کی توجہ کی وجہ سے آج بھی اکثر محلوں میں دارالمطالعے چل رہے ہیں۔ جہاں انجمن، اخبارات اور رسائل کی شکل میں جزوی مدد دیا کرتی ہے۔ اس وقت بارہ دارالمطالعے انجمن سے امداد پاتے ہیں۔

حیدرآباد کے بعض بڑے کتب خانوں میں اُردو اور دوسری زبانوں کے مخطوطات بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کی فہرست نہ تھی۔ لیکن انجمن کی دلچسپی سے ان مخطوطات کی ترتیب و توضیحات کا کام ہوچکا ہے۔ سالار جنگ لائبریری کے اُردو مخطوطات کی توضیحی فہرست جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، شائع ہوئی۔ کتب خانہ آصفیہ کے اُردو مخطوطات کی فہرست بھی، دو جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ یہ فہرستیں، مرحوم نصیر الدین ہاشمی نے انجمن کی ایما پر مرتب کی تھیں۔

انجمن کے فرائض میں ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کا انتظام بھی شامل ہے۔ انجمن کا ایک اہم مقصد اشاعتی پروگرام بھی ہے انجمن کی جانب سے اُردو زبان میں سہل، آسان اور مفید کتابوں کی تصنیف اور ترجموں کا انتظام کیا جانا بھی ہے۔ اگرچہ کہ انجمن کے قلت بڑے پیمانے پر اشاعتی کام نہ ہوسکا۔ پھر بھی حسب ذیل کتابوں کی اشاعت سے ایک حد تک انجمن کی کارکردگی کا اندازہ ہوسکتا ہے:-

۱۔ گوتم بُدھ	(طویل نظم)	فضل الرحمٰن
۲۔ بچوں کی کتابیں	بچوں کے گیت	لطیف النساء بیگم
	مزے دار کہانیاں	حفیظ الدین
	چند بڑے آدمی	مقبول احمد سیوہاروی
	ہونہار (ڈرامہ)	شجاع احمد
۳۔ سقراط	(تاریخی ڈرامہ)	فضل الرحمٰن
۴۔ چنگیز	(" ")	فضل الرحمٰن
۵۔ ابتدائی انسانی سماجیات		فاطمہ شجاعت

۶۔ رُوداد سُکل ہند اُردو کانفرنس ۱۹۵۶ء — زینت ساجدہ
۷۔ چراغ منزل — شاہد صدیقی
۸۔ تلگو ادب کی تاریخ — راما نج راؤ ۔ زینت ساجدہ
۹۔ تلگو اُردو لغت — ڈاکٹر راما راجو
۱۰۔ پاس گریباں — شاہجہان ادیب
۱۱۔ زنساں سحر — خورشید احمد جامی
۱۲۔ دکن میں ریختی کا ارتقا — ربیع حسینی

" اُردو مجلس " اگرچہ انجمن ترقی اُردو کا شعبہ نہیں ہے لیکن قیام اُردو ہال کے بعد سے اس کے تمام جلسے انجمن ترقی اُردو کے تعاون ہی سے ہوا کرتے ہیں ۔

مرزا فرحت اللہ بیگ اور ان کے ساتھیوں علامہ یزدانی، سجاد مرزا، ور سعید جنگ اور دیگر حضرات نے اُردو مجلس کے نام سے ایک ادبی تنظیم قائم کی تھی ۔ ابتدا میں اُردو مجلس کے ادبی اجلاس ہر ماہ کسی ایک رُکن کے گھر پر منعقد ہوا کرتے تھے جن میں اعلیٰ پایہ کے ادبی و علمی مقالے پڑھے جاتے تھے اور اس کے بعد ایک شعری محفل بھی ہوتی تھی جس میں حیدرآباد کے بلند پایہ شاعر اپنا کلام سُناتے تھے ۔ جناب فضل الرحمن صاحب پرو وچانسلر علی گڑھ یونیورسٹی' اُردو مجلس کے معتمد کے عہدہ پہ فائز رہے ہیں اُردو مجلس کے جلسے جب اُردو ہال میں منعقد ہونے لگے تو ڈاکٹر مغنی تبسم معتمدِ ادبی کی حیثیت سے اور جناب منظور احمد (ایم۔اے) معتمد انتظامی کی حیثیت سے وابستہ رہے ۔

اُردو مجلس گذشتہ دس سال سے اُردو ہال میں اپنے علمی' ادبی جلسوں کا انعقاد کر رہی ہے ۔ ہر ماہ کے آخری ہفتہ میں اتوار کے دن پانچ بجے شام اُردو ہال میں اُردو مجلس کا ادبی اجلاس ہوتا ہے ۔ جس میں معیاری مضامین' مقالے پڑھے جاتے ہیں ۔ آخر میں ہمیشہ کی طرح ایک نکھری ستھری مختصر سی محفلِ شعر بھی ہوتی ہے ۔ ڈاکٹر مغنی تبسم اور منظور احمد نے اُردو مجلس کی جانب سے ایک سہ ماہی ادبی مجلّہ " مجلس " کے نام سے شائع کرنا شروع کیا تھا ۔ اُردو مجلس کے زیرِ اہتمام بعض یادگار علمی و ادبی ' تقاریب بھی ہوئیں ـــ ڈاکٹر مغنی تبسم کی سبکدوشی کے بعد بھی کچھ عرصہ تک " مجلس " محمد منظور احمد کی ادارت میں شائع ہوتا رہا سہ ماہی مجلس" کا شمار اُردو کے معیاری رسالوں میں ہوتا تھا ۔ مجلس' کے اہم ترین نمبر' غالب نمبر' مومن نمبر' اور عبدالحق نمبر' شائع ہو چکے ہیں ۔ محمد منظور احمد صاحب ـــ تقریباً ، سال تک نہایت ہی محنت' خلوص' ذمہ داری اور فرض شناسی سے اُردو مجلس کی معتمدی کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ ان کے بعد صلاح الدین نیّر' اُردو مجلس کے معتمد رہے ۔ پھر فاطمہ عالم علی خاں معتمد رہیں ۔ اس وقت جناب میر حسن صاحب اُردو مجلس کے معتمد ہیں اور جناب رائے جانکی پرشاد صدر ۔

انجمن ترقی اُردو کا ایک بڑا کارنامہ اُردو کالج کا قیام بھی ہے ۔ گذشتہ دس سال سے یہ کالج اپنی ترقی کے منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے ۔ اسی طرح اُردو آرٹس (ایوننگ) کالج کا قیام بھی انجمن ترقی اُردو کا بڑا کارنامہ ہے ۔ اس کالج کا

ذریعہ تعلیم اُردو ہے ہندوستان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا کالج ہے، جہاں بی۔ اے تک اُردو ذریعہ تعلیم کے ساتھ تعلیم کا انتظام ہے۔

۱۹۶۱ء میں انجمن نے مردم شماری کے وقت، جہاں تک اُس کا مالیہ اجازت دیتا رہا، اُردو میں فہرستیں لکھوائیں اور جہاں جہاں انجمن کی شاخیں تھیں، وہاں بھی یہ کام ہوتا رہا۔ اُردو، تلگو اور انگریزی زبانوں کے لاکھوں پرچے تقسیم کروائے تاکہ اُردو بولنے والے مردم شماری کے وقت اپنی مادری زبان کا صحیح طور پر اندراج کرا سکیں۔

انجمن کے اہم ترین فرائض میں، ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ انجمن اُردو والوں کی آواز کو حکومت کے گوش گذار کرے اُردو والوں کی ضروریات اور ناانصافی کی شکایت حکومت کے ایوانوں میں پہونچائے۔ اور اس کو ان کا دستوری حق دلانے کی کامیاب کوشش کرے۔

۱۹۵۶ء میں انجمن کے زیرِ اہتمام نہایت ہی عظیم الشان پیمانے پر کل ہند اُردو کانفرنس ہوئی، جس میں ہندوستان کے تقریباً تمام مشاہیر اور صف اوّل کے ادیب و شاعر جمع ہوئے۔ گذشتہ چار سال سے ہر سال کل آندھرا پردیش اُردو کانفرنس منعقد ہو رہی ہے، جس میں اضلاع کی انجمنوں کے نمایندے شریک ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے مسائل پر بحث و تمحیص کیا کرتے ہیں اور طے شدہ پروگرام کے مطابق ہر سال اضلاع میں اُردو کانفرنسیں ہوا کرتی ہیں۔

انجمن ترقی اُردو کے سچے خدمت گذار جناب حبیب الرحمٰن صاحب نے اُردو آرٹس کالج کی عمارت کے لیئے ایک گراں قدر عطیہ زمین کی شکل میں دیا ہے۔ جس کی مالیت کا اندازہ ایک لاکھ سے زائد ہوتا ہے۔ جناب حبیب الرحمٰن صاحب کی بےلوث اُردو خدمت کو نئی نسل کبھی نہ بھلا سکے گی۔ موصوف نے اپنی ساری زندگی اُردو کی خدمت کے لیئے وقف کر دی ہے۔

پچھلے ایک سال سے انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کا ترجمان "ترقی اردو" پندرہ روزہ کے نام سے شائع ہو رہا ہے اس پرچے کے ایڈیٹر ڈاکٹر حسینی شاہد (پرنسپل اُردو اورینٹیل کالج، اُردو آرٹس (ایوننگ) کالج) ہیں۔ یہ پرچہ نہایت پابندی اور سلیقے سے شائع ہو رہا ہے اور چند ہی دنوں میں علمی و ادبی حلقوں میں اپنا ایک خاص مقام بنا لیا ہے۔ اس پرچہ میں زیادہ تر ایسی خبریں، حکم نامے، بیانات، مضامین، مقالے اور خطوط شائع ہوتے ہیں، جن کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو زبان کے ساتھ، کہاں کہاں، کس کس انداز کا سلوک کیا جا رہا ہے۔ یہ پرچہ اُردو کے عام پرچوں کی طرح نہیں ہے۔ اس پرچے کے پیچھے ایک مقصد ہے، اور وہ مقصد اُردو زبان کی ترقی، ترویج اور اس کی صیانت و حفاظت ہے۔

قیام انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے بعد سے انجمن کے مختلف عہدوں پر جو حضرات فائز رہے اور اب جو فائز ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے:-

نواب اکبر یار جنگ	صدر	پروفیسر حبیب الرحمٰن
ڈاکٹر غلام یزدانی	"	معتمد خازن
نواب مہدی نواز جنگ بہادر	"	" "

نواب میر احمد علی خاں (صدر) پروفیسر ہارون خاں شیروانی (نائب صدر)
جناب عابد علی خاں (شریک معتمد)

اراکین کے نام یہ ہیں :-

جناب رائے جانکی پرشاد ، جناب راج بہادر گوڑ ، جناب سید محمد یونس ، محترمہ زینت ساجدہ ، جناب سرنواس لاہوٹی ، جناب ڈی رامانج راؤ ، جناب سید معز الدین ، محترمہ رحمت مرزا ، جناب کمال کریم زنجری ، جناب محبوب علی نصرت فاروقی، جناب ڈاکٹر سید عبدالمنان اور جناب ڈاکٹر مسعود حسین خاں۔

اس دور بے یقینی میں انجمن ترقی اُردو کی سرپرستی سے اُردو زبان کو اس کا جائز مقام حاصل ہونے کے امکانات روزِ روشن کی طرح نظر آ رہے ہیں۔

اُردو اورینٹیل کالج

۱۹۵۶ء سے پہلے کی بات ہے کہ جب عثمانیہ یونیورسٹی نے مشرقی زبانوں کی تعلیم کے سلسلے میں سرٹیفکیٹ، ڈپلوما اور ڈگری کورسس کا آغاز کیا تو امتحانوں کے انعقاد کی یہ شرط عائد کی کہ سلمہ خانگی ادارے منظورہ نصاب کے مطابق تعلیم دینے کا انتظام کریں۔ جیسے ہی عثمانیہ یونیورسٹی نے یہ اسکیم پاس کی حیدرآباد میں ہندی اورینٹیل کالج قائم کیا گیا۔ مشرقی علوم کی حوصلہ افزائی کی روشنی میں اُردو کالج کے قیام کے بارے میں سب سے پہلے ڈاکٹر مغنی تبسم اور ڈاکٹر حسینی شاہد نے غور کیا۔ اور اپنی تجویز جناب حبیب الرحمٰن صاحب معتمد انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے سامنے رکھی۔ موصوف نے اُردو کالج کے قیام کی تحریک کو نہ صرف پسند ہی کیا بلکہ شخصی طور پر اور انجمن ترقی اُردو کی جانب سے ہر ممکنہ تعاون کا یقین دلایا اور اس تجویز کو انجمن ترقی اُردو کی عاملہ کے سامنے پیش کیا تاکہ وہ اپنے مالی وسائل کی روشنی میں عملی اعانت کے بارے میں غور کر سکے۔ انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی عاملہ نے اُردو کالج کے قیام کی تجویز کو منظور کیا! اور اپنی طرف سے اُس وقت تک مالی مدد کرنے کی ذمہ داری لی جب تک کہ حکومت کی امداد نہ ملے۔ جیسے ہی یہ تصفیہ ہوا کالج کی ایک مجلسِ انتظامیہ تشکیل دی گئی جو حسبِ ذیل اصحاب پر مشتمل ہے :-

۱۔ جناب ایم۔ نرسنگ راؤ۔ سابق وزیر حکومت آندھرا پردیش — صدر
۲۔ جناب حبیب الرحمٰن — معتمد
۳۔ جناب رائے جانکی پرشاد — رکن
۴۔ جناب سید محمد یونس — رکن
۵۔ جناب ڈاکٹر راج بہادر گوڑ — رکن
۶۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان — رکن
۷۔ جناب عابد علی خاں — رکن
۸۔ جناب رامانج راؤ — رکن
۹۔ ڈاکٹر حسینی شاہد — (پرنسپل)

۴۔ جناب ڈاکٹر مغنی تبسم	۱۹۵۶ - ۱۹۶۵ء
۵۔ محترمہ زینت ساجدہ	۱۹۵۶ - ۱۹۵۷ء
۶۔ جناب محمد منظور احمد	۱۹۵۷ - ۱۹۵۹ء
۷۔ جناب سعادت نظیر	۱۹۵۷ - ۱۹۶۴ء
۸۔ جناب بدیع حسینی	۱۹۵۸ - تاحال
۹۔ جناب وندھیا چل ترپاٹھی	۱۹۵۸ - تاحال
۱۰۔ جناب نصیر الدین نظامی	۱۹۵۹ - ۱۹۶۶ء
۱۱۔ جناب مبرور احمد صدیقی	۱۹۶۳ - ۱۹۶۶ء
۱۲۔ جناب امین الدین	۱۹۶۴ - ۱۹۶۴ء
۱۳۔ محترمہ آمنہ بیگم	۱۹۶۵ - ۱۹۶۶ء
۱۴۔ جناب ڈاکٹر سلیمان اطہر	۱۹۶۶ - ۱۹۶۷ء
۱۵۔ جناب سید موسیٰ کاظم	۱۹۶۶ - تاحال
۱۶۔ جناب ڈاکٹر غلام دستگیر رشید	۱۹۶۷ -
۱۷۔ محترمہ ڈاکٹر حبیب ضیاً	۱۹۶۷ -
۱۸۔ جناب مشیر ثریا	۱۹۶۷ -

دوسرے کالجوں کی طرح اُردو کالج کے طلباً و طالبات بھی زائد از نصاب سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے رہے۔ قیام کالج کے پہلے ہی سال طلبائے اُردو کالج نے بزم ادب کا قیام عمل میں لایا۔ جس کے زیر اہتمام ہرماہ اُردو ہال میں بین کلیاتی ادبی محفل و محفلِ شعر و سخن ہوا کرتی تھی۔ بزم ادب اُردو کالج کی جانب سے ممتاز علمی و ادبی شخصیتوں کا یوم بھی منایا جاتا ہے۔ چنانچہ اب تک یوم شبلی، یوم سراج، یوم حالی اور یوم اکبر الٰہ آبادی کی تقاریب اعلیٰ پیمانے پر منائی گئیں۔ ان موقعوں پر سمپوزیم، مشاعرے، نمائشِ کتب اور موسیقی کی محفلیں ترتیب دی گئیں۔ بزم ادب کی جانب سے ہرسال بین کلیاتی اجتماع میں تحریری، تقریری اور بیت بازی کے مقابلے منعقد ہوا کرتے ہیں۔

تقریری مقابلوں کے لیے اُردو کالج کے اساتذہ ڈاکٹر حسینی شاہد، محمد منظور احمد، اور محترمہ زینت ساجدہ نے ' سجاد میموریل شیلڈ ' اور بیت بازی کے مقابلوں کے لیے کالج کے طالب علم محمد رحمت اللہ اور ابو عبداللہ حسین نے ' مکیش میموریل شیلڈ ' بزم کو عطا کیے۔ اُردو کالج سے ۶۳-۱۹۶۲ء میں پہلی بار ایک مجلّہ اُردو کالج میگزین کی اشاعت عمل میں آئی۔ جس کے مشیر ڈاکٹر مغنی تبسم ' اور ترتیب کار فاطمہ عالم علی خاں اور اکرام اللہ خاں تھے۔ دوسرا مجلّہ (۱۹۶۶ء) اکبر الٰہ آبادی نمبر کے نام سے شائع ہوا ' جس کے مدیر جناب ارشاد علی خاں تھے۔ اس مجلہ میں یوم اکبر الٰہ آبادی کے موقع پر پڑھے ہوئے مقالے

تعلیمی مشاغل

اردو کالج کے طالب علم تقریباً تمام بین کلیاتی مقابلوں میں حصہ لیا کرتے ہیں اردو کالج کے بی۔ اے۔ کے ایک طالب علم صلاح الدین نیر نے بین کلیاتی باقی میموریل مقابلہ شعر و سخن (۶۰-۱۹۵۹ء نظام کالج) میں اپنی بہترین غزل پر ٹرافی حاصل کی ۶۱-۱۹۶۰ء میں بشیر النسا مقابلہ شعر و سخن (آرٹس کالج، عثمانیہ یونیورسٹی) اور چھٹے بین کلیاتی اردو فیسٹیول کی طرحی محفل شعر و سخن میں ان کی غزلوں کو انعام اول کا مستحق قرار دیا گیا۔ اردو فیسٹیول میں اساتذہ اور طلبا کے مقابلۂ بیت بازی میں صلاح الدین نیر کو طلبا کے گروپ میں بہترین شعر سنانے پر انعام اول کا مستحق قرار دیا گیا۔ سید مظہر الدین احمد وحید اور مسعود عالم پر مشتمل ایک ٹیم نے ڈاکٹر زور میموریل تقریری مقابلے (اردو آرٹس کالج) میں حصہ لے کر ٹرافی جیت لی۔ ایک اور طالب علم میر ساجد علی، یوم پریم چند کے تقریری مقابلے (ناگ رام بھگوان داس کالج) میں اول آنے پر پریم چند میموریل ٹرافی کے مستحق قرار پائے۔

قیام کالج سے آج تک جو طلبا و طالبات بزم ادب کے مختلف عہدوں پر فائز رہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

سال	صدر	نائب صدر	معتمد	شریک معتمد
۱۹۵۶-۵۷ء	قاسم عالم علی خاں	محمد یوسف الدین	نذیر الدین	
۱۹۵۷-۵۸ء	"		عبداللہ صدیقی	سید نصرت اللہ
۱۹۵۸-۵۹ء	"	شاہ غیاث	کلثوم بیگم	
۱۹۵۹-۶۰ء	صلاح الدین نیر	شاہ مجیب	ہاشم مہاجر	
۱۹۶۰-۶۱ء	رشیدہ حیدر		"	
۱۹۶۱-۶۲ء	ہاشم مہاجر	حبیب الدین	سید مرتضیٰ حسین صوفی	ارشاد علی خاں
۱۹۶۲-۶۳ء	سید مرتضیٰ حسین صوفی		محمد اکرام اللہ خاں	سید نجم الدین
۱۹۶۳-۶۴ء	سید مسعود عالم	ارشاد علی خاں	رشید انور	ساجد اعظم
۱۹۶۴-۶۵ء	سید ساجد علی	سید خواجہ معین الدین	مظہر الدین وحید	
۱۹۶۵-۶۶ء	سید طاہر افتخار الدین	معز الدین برنی	قادر علی ندیم	
۱۹۶۶-۶۷ء	شاہانہ دستگیر	جلال الدین اکبر	احسن حمید	منصور علی خاں
۱۹۶۷-۶۸ء	محمد نصیر الدین	احسن حمید	منصور علی خاں	یوسف الدین

اگرچہ آج یہ کالج اتنا زیادہ مشہور نہیں۔ لیکن وہ دن دور نہیں ہے جب کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں اس کالج کا تذکرہ ہوگا۔

ان حضرات کے علاوہ اساتذہ کے نمائندوں کی حیثیت سے پروفیسر ابوظفر عبدالواحد اور ڈاکٹر حسینی شاہد کو مجلسِ انتظامی کا رکن مقرر کیا گیا۔

قیامِ کالج کے پہلے سال ہی اِنٹرنس اور ڈپ۔ او۔ ایل کی جماعتوں کا آغاز کیا گیا، جن میں علی الترتیب ۲۲ اور ۹ طلبا نے داخلہ لیا۔ رفتہ رفتہ بی۔ او۔ ایل (آنرز) تک کلاس قائم ہوئی۔ طلبا و طالبات کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا گیا۔ حکومتِ آندھرا پردیش نے ۵ رجون ۱۹۵۶ء کی ایک گشتی کے ذریعہ محکمۂ تعلیمات میں اساتذہ کے تقرر کے لیئے ڈپ۔ او۔ ایل اور بی۔ او۔ ایل کو یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے کے مماثل قرار دیا۔ اس کے فوری بعد دسمبر ۱۹۵۶ء میں آندھرا پردیش پبلک سروس کمیشن نے دوسرے سرکاری محکموں میں تقررات کے لیئے ان امتحانوں کو تسلیم کر لیا۔ ۱۹۵۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک کمیشن نے اُردو کالج کا معائنہ کیا اور کمیشن کی رپورٹ کے پیشِ نظر یونیورسٹی کونسل نے اُردو کالج کو یونیورسٹی کے مسلمہ کالجوں میں شامل کر لیا۔ اِس سال محکمۂ تعلیم حکومت آندھرا پردیش نے سالانہ رقمی امداد دینا منظور کیا۔

ابتدا میں عثمانیہ یونیورسٹی نے ڈپ۔ او۔ ایل میں داخلہ کے لیئے انٹرنس یا میٹرک کامیاب کرنے کی شرط رکھی تھی۔ لیکن ۱۹۵۷ء میں اُردو کالج کی تحریک پر منشی (جامعہ نظامیہ)، ادیب کامل، (جامعہ اردو علی گڑھ) کو ڈپ۔ او۔ ایل کے مماثل قرار دیا۔ ۱۹۵۸ء میں یونیورسٹی نے میٹرک کا امتحان گروپ سے پاس کرنے والوں کو بھی ڈپ۔ او۔ ایل میں شرکت کی اجازت دی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے قواعد کے لحاظ سے بی۔ او۔ ایل کامیاب کرنے کے بعد بی۔ اے انگریزی کا امتحان کامیاب کرنے پر ایم۔ اے (اُردو) میں داخلہ مل سکتا ہے اور اگر جنرل ایجوکیشن کا امتحان بھی پاس کر لیا جائے تو طالب علم کو بی۔ اے کی ڈگری کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اِس سہولت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُردو کالج کے بہت سے طالب علموں نے ایم۔ اے میں داخلہ لیا اور بعض طلبا نے امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔

۱۹۶۰ء میں اُردو کالج کا پہلا بیاچ بی۔ او۔ ایل کے امتحان میں شریک رہا اور اِس سال (۱۹۶۸ء) سے ایم۔ او۔ ایل کے نصاب کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ ایم۔ او۔ ایل میں اِس سال ۲۲ طلبا شریک ہو رہے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں پروفیسر ابوظفر عبدالواحد اپنے عہدۂ پرنسپل سے سبکدوش ہو گئے۔ ان کے بعد سید محمد صاحب اُردو کالج کے پرنسپل رہے اور اب ڈاکٹر حسینی شاہد اُردو کالج کے پرنسپل ہیں۔ پچھلے دس سال میں اُردو کالج نے جو کچھ بھی ترقی کی ہے، وہ پروفیسر حبیب الرحمٰن، پروفیسر ابوظفر عبدالواحد (سابق پرنسپل)، سید محمد صاحب (سابق پرنسپل)، ڈاکٹر حسینی شاہد کے علاوہ کالج کے سابقہ اور موجودہ اساتذہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

جن اساتذہ نے قیامِ کالج کے بعد سے اب تک اپنی خدمات پیش کیں، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

۱۔ پروفیسر ابوظفر عبدالواحد (سابق پرنسپل) ۱۹۵۶ - ۱۹۶۱ء

۲۔ جناب سید محمد (" ") ۱۹۶۱ - ۱۹۶۴ء

۳۔ جناب ڈاکٹر حسینی شاہد (پرنسپل) ۱۹۵۶ تا حال

اُردو آرٹس (ایوننگ) کالج

جب حالات کی بے راہ روی نے عثمانیہ یونیورسٹی سے اس کا ذریعۂ تعلیم اُردو چھین لیا تو اُردو زبان کے عاشقوں میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ اُردو آرٹس (ایوننگ) کالج کا قیام اسی رَدِّ عمل کا نتیجہ ہے۔ جب عثمانیہ یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم انگریزی بنا دیا گیا تو کچھ برسوں تک طالب علموں کو یہ سہولت رہی کہ وہ امتحانات کے جوابات انگریزی کے علاوہ اُردو یا انگریزی رسم خط میں بھی لکھیں۔ لیکن ۱۹۶۲ء سے یہ سہولت بھی ختم کر دی گئی۔ اور طلبا کو پابند کر دیا گیا کہ وہ امتحانات کے جوابات انگریزی میں دیں۔ جس کی وجہ سے اُردو کے طلبا میں بے چینی و ہراسانی پھیل گئی۔ اُردو آرٹس کالج کا قیام ایک نہایت ہی ہمت اور حوصلے کا کام تھا۔ یونیورسٹی کے اِلحاق کے لئے ایک لاکھ ۵ ہزار روپے کی تکمیل انتہائی مشکل کام تھا۔ لیکن اُردو کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ جناب حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنی کوشش سے یہ سرمایہ فراہم کیا۔ اُردو آرٹس کالج' اس وقت ہندوستان بھر میں پہلا کالج ہے' جہاں کا ذریعۂ تعلیم اُردو ہے۔

۱۹۶۲ـ۶۳ء کے تعلیمی سال سے یہ کالج وجود میں آیا۔ ۱۹۶۲ـ۶۳ء میں صرف پی۔ یو۔ سی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ ۱۹۶۳ـ۶۴ء میں بی۔ اے سالِ اول' ۱۹۶۴ـ۶۵ء میں سالِ دوم اور ۱۹۶۵ـ۶۶ء میں ڈگری کالج ہو گیا۔ اُردو آرٹس کالج میں حسبِ ذیل مضامین کی تعلیم کا انتظام ہے :-

پی - یو - سی

لازمی مضامین ۔ انگریزی' اُردو (زبانِ دوم)

مضامینِ اختیاری ۔ شہریت (سیوکس)' معاشیات' اُردو' تاریخ

بی۔ اے (سہ سالہ ڈگری کورس)

لازمی مضامین : انگریزی' اُردو (زبانِ دوم) جنرل ایجوکیشن

مضامینِ اختیاری : (۱) سیاسیات' معاشیات' پبلک ایڈمنسٹریشن (۲) اُردو' تاریخ' سیاسیات

(۳) معاشیات' سیاسیات اور اُردو۔

اُردو آرٹس کالج' اُردو تحریک کی آبرو ہے ـــــ جب آندھرا پردیش کی یونیورسٹیوں کا ذریعہ تعلیم انگریزی کی بجائے تلگو ہو جائے گا تو اُردو آرٹس (ایوننگ) کالج کا ذریعہ تعلیم اُردو ہی رہے گا اور اُردو آرٹس کالج مادری زبان کا مرکز بن جائے گا۔ ایک وقت آئے گا یہ ڈگری کالج حالات کے ساتھ ساتھ اُردو یونیورسٹی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اگرچہ کہ

اُردو کی اپنی کوئی علحدہ ریاست نہیں ہے' لیکن نئی لسانی اور تعلیمی پالیسی کی بُنیاد چونکہ مادری زبان ہے' اِس لیئے اُردو والوں کو بھی یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ ابتداء سے جامعاتی تعلیم تک ہر سطح پر اُردو میں تعلیم حاصل کریں۔ یقین ہے کہ ہر صُوبے میں اُردو کے مدارس اور کالجس قائم ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اُردو والوں کی یونیورسٹیاں بھی قائم ہوجائیں۔ یہ سہولتیں بہت ممکن ہے کہ شمالی ہند میں مل سکیں' لیکن جنوبی ہند کے لیئے اُردو آرٹس کالج ہی کو یہ مقام حاصل رہے گا کہ وہ اُردو یونیورسٹی میں بدل جائے۔

جب یہ کالج قائم کیا گیا تو اس کے پرنسپل کے عہدہ پر ڈاکٹر حُسینی شاہد کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کالج سے حسبِ ذیل اساتذہ کو وابستگی حاصل ہے:-

۱۔ بشیر فاطمہ رضا	لیکچرر معاشیات
۲۔ کریم فاطمہ	لیکچرر اُردو
۳۔ نُورالنساء	لیکچرر سیاسیات
۴۔ ڈی۔پی۔متراؔ	لیکچرر پبلک ایڈمنسٹریشن
۵۔ نظام الدین مغربی	لیکچرر تاریخ
۶۔ مظہر حسین	لیکچرر تاریخ
۷۔ نیر احمد خاں	لیکچرر سیاسیات
۸۔ محمد حسین	لیکچرر معاشیات
۹۔ رتن رام	لیکچرر ہندی
۱۰۔ راج رتنم	لیکچرر انگریزی
۱۱۔ احمد جلیس	لیکچرر اُردو
۱۲۔ احمد عبدالعزیز	لیکچرر جنرل ایجوکیشن

طلبائے اُردو آرٹس کالج نے بھی انجمن اتحادِ طلبا اُردو آرٹس (ایوننگ کالج) کے نام سے ایک انجمن کا قیام عمل [illegible] طلبا کی اس ادبی انجمن کے زیرِ اہتمام ہر سال علمی و ادبی اور شعری محفلیں نہایت شاندار پیمانے پر منعقد کی جاتی ہیں۔ مختلف اوقات میں بین کلیاتی' تحریری، تقریری اور بیت بازی کے مقابلوں کے انعقاد کے علاوہ قیامِ کالج کے بعد سے [illegible] یومِ زور، یومِ مہاراجہ کشن پرشاد، یومِ مولانا ابوالکلام آزاد کی تقاریب منائی گئیں۔ اِن تقاریب میں جو مضامین اور [illegible] پڑھے گئے وہ جمع کرکے اُردو آرٹس (ایوننگ کالج) کے طلبا کے مجلّہ "پھُولبن" میں شائع کیئے گئے۔ "پھولبن" طلبائے [illegible] آرٹس کالج کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا ترجمان ہے۔ اس کالج کا یہ پہلا مجلّہ ہے جو ۶۸-۱۹۶۷ء میں شائع ہوا' جس کے مدیرِ اعلیٰ مرتضیٰ خاں حسرت' مُدیر ایم۔رتنا ریڈی اور نائب مُدیر نصرت محی الدین ہیں۔ انجمن اتحادِ طلبا اُردو آرٹس (ایوننگ کالج)

کے قیام کے بعد سے جو طلباً مختلف عہدوں سے وابستہ رہے اس کی تفصیل یہ ہے :۔

سال	نام	صدر	معتمد
۱۹۶۲ـ۶۳ء	سیف الدین	،،	
۱۹۶۳ـ۶۴ء	سیف الدین	،،	شاہد محی الدین
۱۹۶۴ـ۶۵ء	محمود قادری	،،	صدیق احمد
۱۹۶۵ـ۶۶ء	عبدالحمید خاں	،،	سید محمد ذکی
	سید عبدالحفیظ نائب صدر		معین الدین اختر (شریک معتمد)
۱۹۶۶ـ۶۷ء	سید عبدالحفیظ	،،	
	محمد عبدالرؤف } نائب صدر		ناظم الدین مقبول
	مسز خدیجہ شاہد } نائب صدر		ابوطاہر فاروقی (شریک معتمد)
			حشمت اللہ صدیقی (گیمس سکریٹری)
۱۹۶۷ـ۶۸ء	احمد محی الدین	،،	محمد معین الدین اختر
	نظمت سلطانہ		سید محبوب (شریک معتمد)
	مرزا رضا علی } نائب صدر		

یہ ایک حقیقت ہے کہ اُردو آرٹس کالج کے قیام کا حیدرآباد کے تمام علمی و ادبی حلقوں نے پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور یہ آس بندھی ہے کہ اُردو آرٹس کالج کی ہر گوشے سے حوصلہ افزائی کی جائے گی ۔ کوئی تعجب نہیں کہ اُردو آرٹس کالج مستقبلِ قریب میں ' اُردو یونیورسٹی میں بدل جائے ۔

اس کالج کے عہدہ دار اور اراکین کے نام یہ ہیں ۔

نواب میر احمد علی خاں	صدر
خان بہادر تارا پوروالا	نائب صدر
پروفیسر حبیب الرحمٰن	معتمد
عابد علی خاں	شریک معتمد
ڈی راما نج راؤ	رکن

ہوٹل

دوارکا

لکڑی کا پل
سیف آباد
کی جانب سے

ادبی ٹرسٹ
کی
کامیابی
کے لیے
نیک تمنائیں

SOVEREIGN BRANDY

HERCULES XXX RUM

SOVEREIGN WHISKY

FIVE STAR BRANDY

COCKTAIL No 1 GIN

DOLLAR BRANDY

ARE THE CHOICE OF MILLIONS

KHODAY R. C. A INDUSTRIES
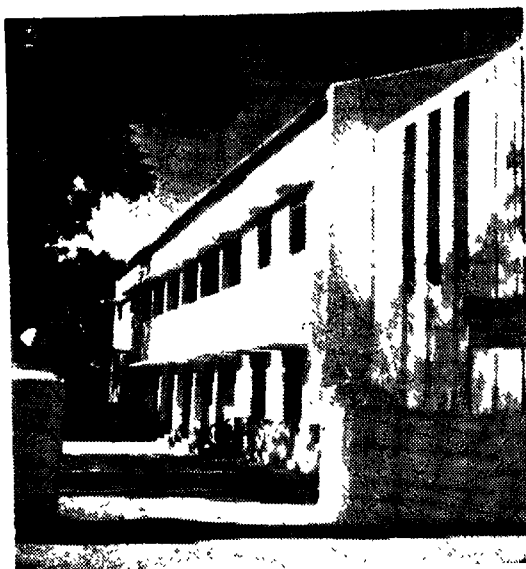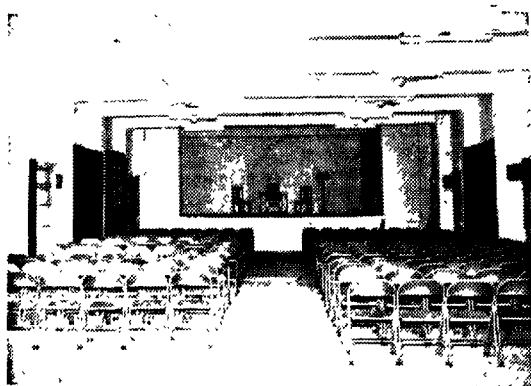
اُردو ہال

اُردو ہال کا اندرونی حصہ

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم
بانی ادارۂ ادبیات اُردو

ایوان اُردو

میر سراج الدین علی خاں

اِدارۂ اَدبیاتِ اُردو

ایوانِ اُردو

مُلک کے مایہ ناز سپوت ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے چند مخلصین کے تعاون سے ۱۹۳۱ء میں اِدارۂ ادبیاتِ اُردو قائم کیا۔ اور ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کی جد و جہد اور مساعی کی بدولت ایوانِ اُردو کی شاندار عمارت سوا لاکھ روپے کے صرفہ سے تعمیر ہوئی۔ جس کا افتتاح ۱۹۶۰ء میں عمل میں آیا۔

ادارہ کے اہم اغراض و مقاصد میں اُردو زبان کی توسیع و اشاعت، نوجوانوں میں علم، ادب اور انشا پردازی کا ذوق پیدا کرنا اور ان کی تصانیف کو شائع کر کے ان کی ہمت افزائی کرنا، دکھنی ادب پر تلاش و تحقیق کے لیئے سہولتیں مُہیا کرنا، اُردو کو مختلف زبانوں سے رُوشناس کرانا اور دکھنی تہذیب، ثقافت اور آثار کی حفاظت داخل ہے۔ ادارہ کے اِن اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیئے کئی شعبوں کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کُتب خانہ قائم کیا گیا، جس میں دکھنی ادب، تاریخ اور مختلف علوم و فنون پر اُردو، فارسی، عربی اور ہندی میں بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا۔ چنانچہ کُتب خانے میں اس وقت ۲۵ ہزار مطبوعات اور ۵ ہزار مخطوطات موجود ہیں۔ جن میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ کُتب خانے کے مخطوطات کی تشریحی فہرستیں پانچ جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اور چھٹی جلد زیرِ تدوین ہے اور مطبوعات کی تین فہرستیں شائع ہو چکی ہیں۔ ادارہ کا ایک اہم شعبہ میوزیم ہے، جہاں دکن کے تاریخی و ثقافتی آثار کا بیش بہا ذخیرہ محفوظ ہے۔ میوزیم کی نادر اشیا میں قطب شاہی، مغلیہ، عادل شاہی اور آصفیہ سلاطین کے اصل فرامین و اسناد، دکھنی خطاطی و مصوری کے نمونے، مشاہیرِ دکن و ہند کے مکتوبات قدیم و جدید، ادیبوں و شاعروں کی تصاویر،

قدیم مصوری کے نمونے، حیدرآباد کی قدیم سواریوں کے عکس، قدیم اسلحہ، بیدری ظروف، کتبات کے چربے، قدیم شجرے اور نقشے داخل ہیں۔ میوزیم میں شہر حیدرآباد کا ایک قدیم ترین نقشہ موجود ہے جو ۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۷۷۲ء میں تیار ہوا تھا۔ اس میں شہر کے حدود اور اُس زمانے کی عمارتیں اور راستوں پر سواریاں بتائی گئی ہیں۔ جس سے اُس دور کے تمدن پر روشنی پڑتی ہے۔ نقشہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ دوم کے عہد میں جب پایہ تخت اورنگ آباد کی جگہ حیدرآباد قرار پایا تو اُس وقت شہر کی جو حالت تھی اس میں ظاہر کی گئی ہے۔ مدرسۂ محمود گاواں (بیدر) کی عمارت کی ایک قدیم ترین اور نادر پینٹنگ حاصل ہوئی ہے جو عہد اورنگ زیب کی ہے۔ اس کے علاوہ میوزیم میں (۲۵۰ قدیم) سکوں کا اضافہ ہوا ہے جو راجگان تلنگانہ، بہمنی، قطب شاہی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں بعض نہایت ہی نایاب ہیں۔

شعبۂ تصنیف و تالیف کی جانب سے اب تک (۳۰۹) کتابیں اُردو، فارسی، انگریزی اور تلگو میں دکھنی ادب، لسانیات، صوتیات، تاریخ و ثقافتِ دکن وغیرہ جیسے موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں۔ اور ادارہ کے آئندہ کے لائحہ عمل میں کئی نادر مخطوطات اور مفید تاریخی و ادبی کتابوں کی اشاعت داخل ہے۔ شعبۂ مطبوعاتِ کشمیر کے نام سے بھی ایک شعبہ قائم ہے، جس کی جانب سے کشمیر کے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات شائع کی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کی کتاب " برف میں آگ" جو ڈاکٹر حامدی کشمیری کے منتخب افسانوں پر مشتمل ہے، حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

ادارہ کا ایک اہم شعبہ، شعبۂ اُردو امتحانات ہے۔ جس کا قیام ۱۹۴۰ء میں عمل میں آیا۔ اس شعبہ کی جانب سے سال میں دو مرتبہ اُردو دانی، اُردو زبان دانی، اُردو عالم، اور اُردو فاضل کے امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔ جس میں ہر سال تقریباً (۵۰۰) طلبا و طالبات شریک ہوتی ہیں۔ اس وقت شہر، اضلاع اور بیرونِ حیدرآباد میں ان امتحانات کے گیارہ مراکز قائم ہیں۔

ادارہ کا ترجمان ماہنامہ "سب رس" جنوری ۱۹۳۸ء میں جاری ہوا، اور تاریخ اجرا سے پابندی سے شائع ہو رہا ہے اور حیدرآباد کے ادیبوں اور شاعروں کو باہر کی دنیا سے روشناس کرانے اور ان کی ہمت افزائی کرنے کا اہم فریضہ ادا کر رہا ہے اس میں ہندوستان کے مشاہیر، اہلِ قلم کے معلومات آفریں مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت، اس کے بلندیٔ معیار کی ضامن ہے۔

شعبۂ دارالمطالعہ میں، ہند اور بیرونِ ہند کے تقریباً (۲۰۰) رسائل اور اخبارات وصول ہوتے ہیں، جو مختلف زبانوں، اُردو، فارسی، عربی، انگریزی، ہندی اور تلگو سے تعلق رکھتے ہیں۔

ادارہ کی جانب سے ہر سال "یومِ زورؔ" اور "یومِ محمد قلی قطب شاہؒ" کی تقاریب اعلیٰ پیمانہ پر منائی جاتی ہیں۔ یومِ محمد قلی قطب شاہ کو تو اس قدر مقبولیت حاصل ہو گئی ہے کہ یہ اب حیدرآباد کا قومی تہوار تصور کیا جا رہا ہے، جس میں بلا امتیازِ مذہب و ملت، شہر کے باشندے شریک ہوتے ہیں۔ اور بانیٔ شہرِ حیدرآباد محمد قلی قطب شاہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ ادارۂ ادبیاتِ اُردو، ڈاکٹر زورؔ مرحوم کا لافانی کارنامہ ہے۔ ادارہ، ہندوستان میں لسانی تحقیقات

کا اہم مرکز ہے جو اُردو ادب کی ترقی اور دکنی تہذیب و ثقافت کی حفاظت میں سرگرم عمل ہے اور بے شمار طالبانِ علم اس چشمۂ علم و اَدب سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ کارکنانِ ادارہ اُن مقاصد کی تکمیل میں پُورے اِنہماک اور خلوص کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہیں' جن کی بُنیادیں محترم ڈاکٹر زورؔ نے رکھی تھیں۔

یہ بات باعثِ طمانیت ہے کہ مُلک اور بیرونِ مُلک کے مشاہیر نے ادارے کی کارکردگی سے متعلق خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ سالِ گزشتہ معزز صدرِ جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین نے ادارے کے تفصیلی معائنہ کے بعد کتابِ الرّائے میں حسبِ ذیل تحریر درج فرمائی ہے:۔

> "ادارۂ ادبیاتِ اُردو میں آج حاضری کا موقع ملا۔ یہاں کا کام اور اہتمام دیکھ کر جی خوش ہوگیا اور اس خوشی کے ساتھ ساتھ زورؔ مرحوم کی یاد بھی برابر آتی رہی۔ وہ بڑا کام کر گئے ہیں، لیکن ہر بڑے کام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آنے والے اسے اور بڑا بنائیں۔ حال پر ماضی کا یہ حق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حق پُوری طرح اَدا کیا جائے گا۔"

▲

میکش اکبرآبادی

سید محمد علی شاہ میکش اکبرآبادی اردو زبان کے استادانِ سخن میں سے ہیں۔ کہنہ مشق اور قادرالکلام شاعر ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں آگرہ کے ایک قدیم جاگیردار اور صوفی خاندان میں پیدا ہوئے۔ جب آنکھیں کھولیں تو خاندانی مذہبی روایات دم توڑ رہی تھیں۔ جاگیرداری اور زمینداری زوال پذیر تھی۔ ان کے والد جوانی میں انتقال کر گئے۔ اس وقت حضرت میکش کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری ان کی والدہ پر پڑی۔ فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر پر معلمین سے ہوئی۔ زندگی کے مسائل سے اپنی بقا کے لیے الجھتے رہے اور اپنے روشن مستقبل کے لیے کافی جدوجہد کرنی پڑی۔ ہمیشہ انھوں نے اپنی خاندانی روایات کا خیال رکھا۔ ظاہری وضع و ملبوس کا اہتمام بھی ان کے لیے ضروری تھا۔ میکش اکبرآبادی جہاں ایک مستند شاعر ہیں وہاں ایک منفرد ادیب کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ انھیں شعر و شاعری اور مضمون نگاری کا اوائل عمر ہی سے شوق تھا۔ ان کے بیشتر مضامین ہندوستان کے مختلف موقر رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی مطبوعہ تصانیف میں نغمۂ اسلام، میکدہ، نقدِ خیال، عرشِ اعظم، شرک و توحید، حرفِ تمنا ہیں۔ حرفِ تمنا اور نقدِ خیال پر یو۔ پی گورنمنٹ سے ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ میکش اکبرآبادی کے کلام میں پختگی، اثر آفرینی اور روانی ہے۔

یہ کائنات یہ زماں یہ مکاں سفر ہی سفر
نہ عاشقی میری منزل نہ حسن تیرا مقام

چراغِ کشتہ لے کر ہم تری محفل میں کیا آتے
جو دل تجھے زندگی کے وہ تو رستے میں گزار آئے

اس ادا سے مجھے برباد کیا ہے اس نے
کہ گیا کچھ بھی نہیں اور رہا کچھ بھی نہیں

موجِ صبا سے اس نے چھیڑا بوئے گل سے پیار کیا
ہم بدقسمت پھر بھی نہ سمجھے کہنے کو فرزانے تھے

زندگی ہے دلِ مضطر کی خلش کے دم تک
یوں کرم کیجئے کہ احساسِ ستم کم بھی نہ ہو

تجھ سے اک ربط کا خوگر ہے مرا دل ورنہ
دل کے زخموں کے لیے خواہشِ مرہم بھی نہ ہو

دل میں پہلے ہی تمنا کی خلش کچھ کم نہ تھی
اور آفت ہو گئے تم مہرباں ہونے کے بعد

یہ حال کیا ہے کہ آغوش میں تجھے لے کر
تمام عمر ترا انتظار میں نے کیا

کیا کچھ امید تھی تری نیچی نگاہ تک
اور تو ظالم بلاتے ہی بیگانہ ہو گیا

تمام عمر جسے دل بنا کے رکھا تھا
وہ راز آج یونہی میں نے ان سے کہہ ڈالا

○

علی سردار جعفری

علی سردار جعفری ہمارے مُلک میں ترقی پسند ادبی تحریک کے بانیوں میں سے ہیں۔ ان کا شمار دورِ حاضر کے اہم ترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں ریاست بلرام پور ضلع گونڈہ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم سلطان المدارس میں داخل کردیئے گئے۔ ۱۹۱۵ء میں جہازرانی (بمبئی) میں لئے گئے مگر والدین نے واپس بلالیا۔ ۱۹۳۵ء میں ادب کے نئے رُجحانات کی جانب توجہ کی۔ ۱۹۳۸ء میں عربک کالج دہلی سے بی۔ اے کیا۔ ۱۹۳۹ء میں اسرارالحق مجازؔ مرحوم اور سبطِ حسن کے ساتھ رسالہ 'نیا اَدب' جاری کیا۔ علی سردار جعفری کے جذبات میں خلوص ہے' ان کے احساسات میں تازگی ہے۔ شعر سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ ان کے کلام میں جدید و قدیم رنگ کی آمیزش ہے۔ سردار جعفری بُنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ ویسے اُنھوں نے غزلیں بھی عُمدہ کہی ہیں۔ ان کے کلام کے ترجمے کئی زبانوں میں ہوچکے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں 'پتھر کی دیوار' خُون کی لکیر' کشمیر جاگ اُٹھا' منزل' نئی دُنیا کو سلام' ایشیا جاگ اُٹھا' ترقی پسند ادب' دیوانِ غالب' اُردو تبصرے مع فرہنگ' پیراہنِ شرر' ایک خواب اور وغیرہ شائع ہوچکے ہیں۔ اب ایک ادبی سہ ماہی رسالہ "گفتگو" نکال رہے ہیں۔

ان کے تازہ مجموعہ کلام 'ایک خواب اور' پر سوویت دیس کی طرف سے انعام دیا گیا۔ اور حکومتِ ہند نے پدم شری کے خطاب سے نوازا۔

پھول بن کر کھل رہے ہیں آج پھر سینے کے داغ
جل رہے ہیں سوزِ دل سے آرزوؤں کے چراغ

نیا نغمہ کوئی جب سانس لیتا ہے سینے میں
ہزاروں داغ پڑ جاتے ہیں پتھر کے کلیجے میں

جاگ اُٹھتے ہیں تو سُولی پہ بھی نیند آتی نہیں
وقت پڑ جائے تو انگاروں پہ سو جاتے ہیں ہم

لب سی لیئے ہیں تا نہ شکایت کرے کوئی
لیکن ہر ایک زخم کے مُنہ میں زباں ہے آج

بھٹک رہی ہے اندھیروں میں زندگی کی برات
کوئی چراغ سرِ رہ گزر جلاتا جا

عہدِ ماضی سے ہوا جاتا ہُوں میں نزدیک تر
حکمرانی کر رہا ہوں وقت کی رفتار پر

لیے اُڑا ہوں چند نغمے زندگی کے ساز سے
چھیڑتا ہُوں بربطِ دل کو نئے انداز سے

حکایتیں بھی بہت ہیں شکایتیں بھی بہت
مزہ تو جب ہے کہ یاروں کے رُوبرو کہیئے

رات آئی ہے ستاروں کی ردا اوڑھے ہوئے
صُبح مے پیتی ہے خورشید کے پیمانے میں

تاریکیوں نے گھیر لیا ہے حیات کو
لیکن کسی کا رُوئے حسیں درمیاں ہے آج

بہت دِنوں سے دلِ مہرباں کی محفلیں ہیں اُداس
کوئی ترانہ کوئی داستاں سُناتا جائے

○

کیفی اعظمی

ممتاز ترقی پسند شاعروں میں کیفی اعظمی ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کا نام اطہر حسین ہے تخلص کیفی۔ ادبی نام کیفی اعظمی ہے۔ ان کی عمر لگ بھگ ۴۹ سال ہے اور وطن اعظم گڑھ ہے۔ ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ میں حاصل کی۔ کثرت مطالعہ نے ان کی شعری صلاحیتوں کو نکھارا۔ ان کی شعری زندگی پر میر انیس کا گہرا رنگ ہے۔ کیفی اعظمی نے شاعری کی ابتدا غزل اور مرثیہ سے کی۔ بمبئی میں ۲۵ برس سے مقیم ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر اس سے وابستہ ہو گئے۔ یوتھ اور مزدور آرگنائزیشن کے سرگرم کارکن ہیں۔ گذشتہ دس بارہ سال سے فلموں کے گیت اور مکالمے لکھ رہے ہیں۔ اُردو شعر و ادب پر ان کی گہری نظر ہے۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ ان کے احساسات میں شدت ہے، جذبات میں خلوص، خیال میں ندرت ہے۔ ان کے کلام میں جدید و قدیم رنگ کا ملا جلا امتزاج ہے۔ جہاں انھوں نے اچھی اچھی سیاسی، انقلابی اور مسائلی نظمیں لکھی ہیں، وہیں عمدہ رومانی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ شعر تحت اللفظ میں سناتے ہیں۔ ان کے پڑھنے کا انداز نہایت اثر انگیز ہوتا ہے۔ کیفی اعظمی کا پہلا شعری مجموعہ "جھنکار" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، دوسرا مجموعہ 'آخرِ شب' ہے :-

بے چارگیٔ زیست یہ ہے موت خندہ زن
ارتھی تو کیا غریبوں کو ملتا نہیں کفن

دہر میں بجتا ہے ڈنکا آج اُن کے نام کا
سو گئے، جو موڑ کر رخ گردشِ ایام کا

اب تک کہاں تھے آپ، نگاہیں ملائیے
بند نقاب کھولیئے، صورت دکھائیے

تڑپ کر کُو گرفتاروں نے زنداں توڑ ڈالے ہیں
اسیرانِ کہن کے طوق گل کر گرنے والے ہیں

تجھ کو دیکھا، تجھے چاہا، تجھے پوجا میں نے
بس یہی اس کے سوا میری خطا کیا ہوگی

خدا کرے کسی دامن میں جذب ہو نہ سکیں
یہ میرے اشک حسیں جن سے آشکار ہو تم

مطمئن کوئی نفس اے دلِ رنجور نہیں
اب الگ بیٹھ کے جی لینے کا مقدور نہیں

پوچھے دل کا حال، ترس کھا رہے ہیں آپ
کس درجہ مہربان نظر آ رہے ہیں آپ

وہ مجھے بھول گئی، اس کی شکایت کیا ہے
رنج تو یہ ہے کہ رو رو کے بھلایا ہوگا

یوں تو مجھ سے اور بھی ہیں ملک میں چھوٹے بڑے
کون لڑتا ہے مگر محنت کشوں کے واسطے

زبیر رضوی

"حیدرآباد کے لوگ تو میری صورت سے اچھی طرح آشنا ہیں، سوانح عمری کیا لکھوں۔ حیدرآباد کی فضاؤں میں پل کر بڑا ہوا، ہائر سکنڈری وہیں سے ۱۹۵۱ء میں پاس کیا، تلاشِ معاش میں دلّی چلا آیا۔ ۱۹۵۱ء سے دلّی میں ہوں، پہلے ایک تجارتی فرم میں ملازم تھا، اب آل انڈیا ریڈیو کے اردو پروگرام میں بحیثیت اسکرپٹ رائٹر کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ دلّی یونیورسٹی سے اردو میں اسی سال ایم۔اے کر رہا ہوں۔ ۱۹۶۴ء میں مکتبۂ صبا نے میرا پہلا شعری مجموعہ 'لہر لہر ندیا گہری' کے نام سے شائع کیا تھا جو میری منتخب غزلوں، نظموں اور گیتوں کا مجموعہ تھا۔ نیا مجموعہ "درد کا شجر" کے نام سے کتاب پبلشرز لکھنؤ شائع کر رہا ہے۔ عام لوگ کہتے ہیں کہ گیت کار ہوں، ناقد کہتے ہیں کہ غزل گو ہوں، احباب اور رسالوں کے مدیر لکھتے ہیں کہ میں نظم نگار ہوں۔ ریڈیو والے مجھے مترجم، ڈرامہ نگار، نثر نگار اور نہ جانے کیا سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں خود کیا سمجھتا ہوں کہ بے نام بے منزل بادلوں کی طرح فضاؤں میں تیرتے رہنا مجھے بے حد پسند ہے۔"

غزل

شبنم سے تتلیوں کے کٹورے بھرے ہوئے
آئے ہو تم تو دامنِ دل ہیں بھرے ہوئے

خود کو لہو کرو گے جو بھاگو گے توڑ کر
دیوارہائے دل پہ ہیں شیشے گڑے ہوئے

کھولے کواڑ دستکوں کی صدا، دیکھا تم نہ تھے
لمحے حسین رُت کے تھے باہر کھڑے ہوئے

کل کے ادا فروش بدن، آج یوں ملے
جیسے ہوں جوڑ جوڑ میں ٹانکے لگے ہوئے

وہ گھر کا آئینہ ہو کہ راہوں کے آئینے
دیکھے ہے رُوئے عمرِ گریزاں ڈرے ہوئے

آبادیوں میں ڈھونڈ رہے ہو کسے زبیرؔ
چہرے پہ جنگلوں کی اُداسی ملے ہوئے

رَدِّ عمل

مجھے یہ یقیں تھا
کہ جب میں سناؤں گا
اس شہر کو شب کے پہلو میں کس طرح پایا ہے میں نے
تو سب لوگ میرے قریب آ کے حیرت سے مجھ کو تکیں گے
بھری پیالیاں چائے کی ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑیں گی
نگاہوں میں گہری اُداسی کے بادل اُمنڈنے لگیں گے
نئے معاشرے کی بداعمالیوں اور بدچلنیوں پر
بڑے سخت لہجے میں تنقید ہو گی

مگر کوئی پیالی نہ ہاتھوں سے چھوٹی
نہ گہری اُداسی نگاہوں میں اُمڈی
نئے معاشرے کی بداعمالیوں اور بدچلنیوں پر
کسی نے نہ سنگِ ملامت ہی پھینکا

سنا صرف اتنا
ابھی تم کو اس شہر کے جاننے میں کئی دن لگیں گے !!

کُل ہند صنعتی نمائش حیدرآباد

زیرِ اہتمام

نمائش سوسائٹی حیدرآباد

ہر سال یکم جنوری تا ۱۰ ر فبروری منعقد ہوتی ہے

ہندوستان کی سب سے بڑی ہمہ مقصدی نمائش

۱۴۰ سے زائد اسٹال قائم ہوتے ہیں

۸۵ لاکھ روپے سے زائد کی مالیت کے سامان کی فروختگی

اس کے علاوہ بہترین فنی ایجاد پر انعام

نمائش مویشیاں

نمائش مرغبانی

کتوں کی نمائش

نمائش باغبانی اور

گیمس واسپورٹس بھی ترتیب دیئے جاتے ہیں

مینا قاضی

خوش گو اور خوش گلو شاعرہ مینا قاضی ۱۹۴۰ء میں بمبئی میں پیدا ہوئیں۔ ان کا آبائی وطن رتناگیری (دکن) ہے۔ بمبئی ہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

مینا قاضی کو طالب علمی کے زمانے ہی سے شاعری کا شوق و ذوق رہا ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا ادبی ذوق نکھرتا گیا۔ حضرت بابا فرید کی سرپرستی اور رہنمائی میں انھیں اپنے فن کو سنوارنے اور نکھارنے کا کافی موقع ملا۔

ابتدا میں جب وہ شعر کہتیں تو تکلف کی وجہ سے کسی کو سُناتی نہیں تھیں، چونکہ شعر اچھے ہوتے تھے اس لیے اپنے کچھ کرم فرماؤں اور دوستوں کے مسلسل اصرار پر مشاعروں میں شرکت کرنے لگیں۔ ابتداءً محفلوں میں شعر سُناتے ہوئے کافی جھجک محسوس کرتی تھیں، مگر رفتہ رفتہ یہ جھجک دُور ہوتی گئی۔ اب بڑے بڑے مشاعروں میں چھا کر سُناتی ہیں۔ اپنے سحر آگیں ترنم اور خاص انداز کے سہارے کامیاب رہتی ہیں۔

مشاعروں میں کامیابی کی وجہ سے ان کے حوصلے بڑھتے گئے۔ مینا قاضی بیسیوں کُل ہند مشاعرے پڑھ چکی ہیں بہت خوبصورت غزلیں کہتی ہیں۔ ان کے اشعار بڑی توجہ سے سُنے جاتے ہیں۔

نہ وہ خلوص، نہ لُطف و کرم کے نذرانے — ترے سُلوک کو کیا ہو گیا خُدا جانے
غمِ حیات کی عظمت کو کوئی کیا جانے — بہار دے کے خریدے گئے ہیں ویرانے
مری تمنا ہی کا باعث جہاں میں کوئی نہیں — مجھے فریب دیا خود مری تمنا نے
یہ کون اُٹھ گیا پھر میکدہ سے اے مینا — یہ کس کے غم میں شکستہ پڑے ہیں پیمانے

بلا سے جل گیا میرا نشیمن — چمن میں تو کم از کم روشنی ہے
حجابِ حُسن محوِ بے خودی ہے — بہت نادم مذاقِ عاشقی ہے
نہ چھیڑا اے گردشِ دوراں مجھے تو — ابھی مجھ پہ گمانِ بے خودی ہے

اسیری میں بھی میرا امتحاں ہے — قفس کے سامنے ہی آشیاں ہے
غم و آلام سے گھبرانے والو — محبت امتحاں ہی امتحاں ہے
مری فطرت ہی مینا بندگی ہے — میں کیا جانوں یہ کس کا آستاں ہے

اے، پی، ایس، آر، ٹی، سی

کا کیا مطلب ہے؟

What does APSRTC Stand for?

اکثر لوگ جانتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے
آندھرا پردیش اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

Most people know what these letters mean:
Andhra Pradesh State Road Transport Corporation.

ان حروف کا مطلب یہ بھی ہے:
عوام کو خوش اخلاقی کے ساتھ محفوظ اور قابلِ بھروسہ مواصلات مُہیا کیے جاتے ہیں۔

The letters also connote:
Afford the Public Safe and Reliable Transport with Courtesy.

حسبِ ذیل اُمور کا خیال رکھ کر ہمیں آپ کی بہتر خدمت کرنے میں تعاون کیجئے۔

اِن باتوں پر عمل کیجئے

(ا) "کیو" بنانے کی عادت ڈالیے۔
(ب) مسافرین کو اترنے کے لیئے راستہ دیجیئے۔
(ج) صحیح ٹکٹ کا مطالبہ کیجئے اور حاصل کیجئے۔
(د) چھوٹے سکوں میں صحیح کرایہ ادا کیجئے۔
(ہ) بس سے اُترنے کے بعد بھی خریدا ہوا ٹکٹ محفوظ رکھیے
(و) بس کے اندرونی حصّے کو صاف رکھنے میں تعاون کیجئے۔
(ز) خواتین، بچوں اور ضعیف افراد کا لحاظ کیجئے۔

اِن باتوں سے احتراز کیجئے

(ا) بس کے فٹ بورڈ پر مت کھڑے رہیئے۔
(ب) تمباکو نوشی مت کیجئے
(ج) چلتی ہوئی بس پر چڑھیئے یا اُترئیے نہیں۔
(د) ممنوعہ اشیا مثلاً دھماکہ پیدا کرنے والی اشیا ساتھ نہ رکھیئے۔
(ہ) بس میں زیادہ ہجوم نہ ہونے دیجئے۔
(و) عملہ کے کام میں رکاوٹ نہ پیدا کیجئے۔
(ز) ڈیوٹی پر متعینہ عملہ سے غیر رسمی بات چیت نہ کیجئے۔

جاری کردہ: **آندھرا پردیش اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن**

بیکل اُتساہی

بیکل اُتساہی، اپنے تاثر آمیز اشعار اور خوش گلوئی کی وجہ سے ہندوستان کے بڑے بڑے مشاعروں میں کامیاب رہتے ہیں۔ ان کا نام محمد شفیع خاں ہے۔ ۱۹۳۰ء میں بلرام پور (یو۔پی) کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، جو ان کے آبا و اجداد کا وطن ہے۔ عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ بلرام پور سے فرسٹ ڈویژن میں اِنٹرنس کیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے انھیں اتساہی کہہ کر مخاطب کیا تھا، اِسی نسبت سے وہ اپنے آپ کو بیکل اتساہی کہتے ہیں۔ ان کے شعر سُنانے کا انداز ساحرانہ ہوتا ہے۔ محفل کے مزاج کو سمجھ لیتے ہیں اور اپنے خاص انداز سے شعر سُناتے ہیں۔ بیکل اُتساہی چند ہی برسوں میں اپنے دلکش ترنم اور سیدھے سادے اشعار کی وجہ سے ہندوستان بھر کے مشاعروں میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں جگر مراد آبادی اور کلیم مرادآبادی کے فیض یافتہ ہیں۔ نظم اور گیت کے علاوہ غزل اور نعت بھی کہتے ہیں۔ نعت شریف کے مجموعے "نور کی برکھا" "تحفۂ بطحیٰ" "تشنۂ عقبیٰ" "نورِ یزداں" "موجِ تسنیم" "پیامِ رحمت" اور "نشاطِ زندگی" شائع ہو چکے ہیں۔ گیت اور غزل کے مجموعے "نغمۂ ترنم" اور "جامِ گل" شائع ہو چکے ہیں۔

سلیم کٹھولوی

سلیم کٹھولوی خاص طور پر شمالی ہند کی شعری محفلوں میں کافی مشہور ہیں۔ اچھے شعر اور جادو اثر ترنم کی وجہ سے مشاعروں پر چھا جاتے ہیں۔ ان کا نام نظیر احمد ہے اور تخلص سلیم۔ ادبی حلقوں میں سلیم کٹھولوی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں علاقہ ہریانہ قصبہ کٹھولی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد اسمٰعیل تھا۔ ایک سال کی عمر میں بینائی جاتی رہی۔ جب یہ سولہ سال کی عمر کے تھے تو ان کے والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

سلیم کٹھولوی ۱۹۳۶ء سے شعر کہتے ہیں۔ فن شعر میں مختار احمد صاحب کلیم سنبھل پوری سہارنپوری کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ ۱۹۴۹ء میں دہلی آ گئے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں سلاست اور روانی ہے۔ لہجہ میں سوز و گداز۔ ان کے شعر دل پر اثر کرتے ہیں۔

دی حیدرآباد کیمیکلز اینڈ فرٹیلائزرز لمیٹڈ

رجسٹرڈ آفس :- ۱۰۰/۱ بشیر باغ . حیدرآباد ۲۹

فون نمبرات :- ۳۵۱۲۸ اور ۳۲۰۲۷

ٹیلیگرام :- "CHEMICALS"

کارخانے :- مولا علی (ساؤتھ سنٹرل ریلوے)

فون نمبر :- ۱۳۴۱ ۷

ٹیلیگرام :- "CHEMICALS"

بودھن (ساؤتھ سنٹرل ریلوے)

فون نمبر : ۳۶

ٹیلیگرام : "CHEMICALS"

۱۔ سلفیورک ایسڈ ۔ کمرشیل گریڈ
۲۔ سنگل سوپر فاسفیٹ گیارنٹیڈ ۱۶٪ WS P_2O_5
۳ تمام اناج اور نقدی فصلوں کے لیے

مکسڈ فرٹیلائزرس میں آپ کی زیادہ سے زیادہ ضروریات کے لیے
ہمیں لکھیے یا ملاقات فرمایئے ۔ ہمیں آپ کی خدمت کر کے مسرت ہوگی ۔

جو بھی غلّہ آپ اُگانا چاہیں

آپ کو حیدرآباد کیمیکلز اینڈ فرٹیلائزرز کے معیاری فرٹیلائزرز کی ضرورت لاحق ہوگی تاکہ زیادہ پیداوار کا آپ کو یقین ہو ۔

رنگ بہاری لعل نگم تبسّم

وطن : دہلی

تاریخ پیدائش : ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

"اکتوبر ۱۹۲۹ء میں دلی کے اُس کائستھ خاندان میں پیدا ہُوا، جہاں علم و ادب، شعر و شاعری زندگی کا ایک محبوب ترین مشغلہ تصوّر کیا جاتا تھا۔ حضرت بیخود دہلوی، حضرت شیدا دہلوی حضرت شرر دہلوی، حضرت نسیم دہلوی اور حضرت امن لکھنوی ایسے حضرات کے علم نواز دامن میں پرورش پائی

قبلہ والد مرحوم گو خود شاعر نہ تھے، لیکن غریب خانہ پر ادبی نشستیں منعقد کرنے کے شوقین تھے۔ ان ادبی محفلوں میں حضرت جوش، حضرت ساحر اور دیگر شعرا حضرات شرکت فرماتے تھے، ایسے ادبی ماحول میں رہ کر طالب علمی کے زمانے سے شعر کہنا شروع کر دیا، اور اس طرح یہ ذوق روز بروز بڑھتا گیا۔

۱۹۵۴ء میں پہلی مرتبہ یوم آزادی کے سلسلے میں کلام پیش کرنے کا اتفاق ہُوا حضرت شیر جھنجھانوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

دلی، بمبئی، کلکتہ، مدراس، بنگلور، پنجاب، یوپی، سی پی سے کرم فرما حضرات اکثر بہ سلسلہ مشاعرہ یاد فرماتے رہتے ہیں۔

زندگی کے ۲۲ برس سرکاری ملازمت میں ایک اچھے عہدہ پر گذارنے کے بعد گزشتہ ایک برس سے تمام تر توجہ کاروبار کی طرف ہے۔"

از علامہ نجم آفندی

حیدرآباد کے تاریخی مشاعرے

"حیدرآباد" جس کے ساتھ فرخندہ بنیاد کہنے کو جی چاہتا ہے خود ایک تاریخی شہر ہے پھر اس کے مشاعرے تاریخی کیوں نہ ہوں گے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں داغ اور امیر کی فطری صلاحیتوں اور شعری لطافتوں کو زیادہ سے زیادہ روبکار آنے کا موقع ملا اور یہ دونوں بزرگوار زبان و بیان کے اعتبار سے پورے ہندوستان پر چھا گئے۔

دلی اجڑ چکی تھی اس سرزمین پر شعر و شاعری کی قدر و منزلت کا دور تھا کیفیت یہ تھی کہ جس شاعر کی خوب نکھر نے ذرا ہوش سنبھالا وہ سیدھا حیدرآباد کا رخ کرتا تھا۔

مرزا داغ حیدرآباد آکر جہاں استاد کہلائے امیر مینائی اپنے تقدس اور ایک سلسلۂ طریقت سے تعلق رکھنے کے باوجود رنگین سے رنگین شعر کہنے اور گیسوئے اردو کے سنوارنے پر مجبور ہو گئے۔

بڑا طویل مضمون ہو جائے گا اگر میں ان تمام شعراء کا تذکرہ کروں جو باہر سے حیدرآباد آکر یہیں رہ گئے مجھے مشاعروں کا تذکرہ کرنا ہے شاعروں کا نہیں پھر بھی مجھ سے پیشتر جو شعرا یہاں آئے ہیں ان میں ضامن کنتوری، ہادی کنتوری، فانی بدایونی، جوش ملیح آبادی وغیرہ کے نام تو لینے ہی پڑیں گے۔

بزم اکبرآبادی میرے والد مرحوم کئی مرتبہ آئے گئے میرے یہاں آنے کے بعد جب وہ یہاں آئے ہیں تو میری وجہ سے انھوں نے بھی مستقل قیام کیا اور یہیں سپردِ خاک ہو گئے۔

میں ضرور یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ میں بہ حیثیت شاعر اور شاعری سے فائدہ اٹھانے کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ ایک قومی کام کے سلسلہ میں میرا آنا ہوا تھا مگر مجھے پرنس معظم جاہ بہادر کی عنایت سے یہیں رہ جانا پڑا۔

میرے والد مرحوم ایک مشاعرہ کا ذکر کرتے تھے جس کا ایک شعر بہت مشہور ہوا اور اس نے پورے حیدرآباد میں موصوف کو روشناس کرا دیا۔ ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا ٭ ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

حیدرآباد میں پہلا مشاعرہ میں نے نواب تراب یار جنگ مرحوم کی دعوت پر دیوان دیوڑھی کے اُس حصہ میں پڑھا ہے جو شادی خانہ کہلاتا ہے۔ نواب صاحب مرحوم اس دور کے امیر اعظم تھے خود شاعر تھے اور شعر و سخن سے غیر معمولی دلچسپی رکھنے کے باعث حیدرآباد کے شعرا اور اساتذہ کو ان سے نیاز حاصل تھا۔

اس مشاعرہ میں حیدرآباد کے شعرائ اساتذہ اور کچھ نومشق شعرا کو مدعو کیا گیا تھا، نواب صاحب موصوف کے استاد حضرت ضامن، کنتوری مرحوم بھی شریک تھے میرا حافظہ بہت کمزور ہوگیا ہے بہرحال یاد پڑتا ہے کہ سرور صاحب باغ صاحب عبد اللہ خاں کامل (ایک فارسی کے شاعر) محمد حسین آزاد (ایک ظریف شاعر) ان حضرات کے علاوہ اسی زمانہ میں حضرت مروپ لکھنوی مرحوم اور اُن کے صاحبزادہ جناب مہذب صاحب بھی نواب صاحب کے مہمان اور شریک مشاعرہ تھے۔

میں نے اس مشاعرہ میں جو غزل پڑھی تھی اس کا مطلع ہے۔

راہ پر لا نہ سکی گردشِ ایام مجھے ۔۔ جھوٹ کہتا ہوں تو منزل پہ نہ ہو شام مجھے

اس مشاعرہ سے حیدرآباد میں مشاعروں کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

اسی ہفتہ میں یا دوسرے ہفتہ میں ایک طرحی مشاعرہ شادی خانہ میں منعقد ہوا جس کا ایک اپنا شعر مجھے یاد ہے

دشمن بٹھا دیا ہے کوئی اپنی راہ میں ۔۔ آواز کس طرف سے یہ آئی ادھر نہیں

حیدرآباد کی ادبی دنیا کا یہ پورا زمانہ ایک تاریخی یادگار ہے۔ باغ صاحب مرحوم نے مشاعروں کا ماہانہ سلسلہ تو عرصہ دراز سے قائم تھا کہ حکیم آشفتہ لکھنوی مرحوم جیسے شگفتہ مزاج اور شعر و سخن کے دلدادہ شاعر اپنا قدیم محلہ چھوڑ کر دارالشفاء میں آگئے اور حضرت کا دلشطاری کو شعر و سخن کا ایسا ذوق پیدا ہوگیا کہ ماہانہ اور محفل عرس کے بعد یا اس سے پہلے محفل مشاعرہ کا انعقاد بھی ہونے لگا حضرت بزم آفندی (میرے والد مرحوم) کے انتقال فرمانے پر ایک بہت عظیم الشان مشاعرہ ترتیب دیا گیا جس میں پورے حیدرآباد کے شعرا شریک تھے اور نواب کاظم جنگ بہادر کی دیوڑھی میں اس کا انعقاد ہوا اتنا بڑا مشاعرہ غالباً اس سے پیشتر یہاں نہیں ہوا تھا حضرت آشفتہ مرحوم اس کے صدر تھے۔

اس مشاعرہ کے ساتھ ہی یادگار بزم کے نام سے ایک انجمن ترتیب دی گئی اور ہفتہ وار طرحی مشاعرے ایک عرصہ دراز تک ہوتے رہے۔

آشفتہ مرحوم کی بے چین طبیعت اس کے ماہانہ مشاعروں کو کبھی زیبا باغ کبھی گنڈی پیٹ اور حمایت ساگر تک لے گئی۔ شعر و شاعری کے ہنگامے شب بیداریاں اور پے در پے مشاعرے تاریخی اجتماعات بن گئے اب بھی کتنے ہی حضرات ایسے موجود ہیں جن کو ان کا آنکھوں دیکھا حال یاد ہوگا اور حافظہ کے اعتبار سے مجھ سے کہیں زیادہ یاد ہو سکتا ہے

حضرت صفی اورنگ آبادی مرحوم کے حلقہ تلامذہ کے مشاعرے، علامہ ناز مرحوم کے عقیدت مندوں کی قائم کی ہوئی ادبی محفلیں بھلا دینے کے قابل نہیں ہیں، حضرت داغ کی جمعیت کے مشاعرے بزم غالب کی ادبی کوششیں دکا وشیں تے

وقار خلیل

آندھرا پردیش میں اردو کتابوں کی اشاعت

اردو کتابوں کا جہاں تک تعلق ہے ان کی تدوین و اشاعت برصغیر ہند و پاک سے عبارت ہے۔ ہماری زبان کا شمار دنیا کی چند اہم اور ترقی یافتہ زبانوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اردو زبان پھلی پھولی اور پروان چڑھی۔ ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان کے بعد گو ہندوستان میں اردو پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا مگر آزادی کے بعد ان بیس سالوں میں ہماری زبان نے بہرحال اپنی ہستی قائم رکھی۔ نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کے زمانے میں ریاست حیدرآباد میں نہ صرف اردو کا چلن سرکاری زبان کی حیثیت سے برقرار رہا بلکہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کی بدولت ہماری زبان مختلف علوم و فنون کا گنجینہ بن گئی۔ طب، انجینیری اور سائنس کی تعلیم اردو میں دی جانے لگی اور ان فنون کی معیاری کتابیں بھی چھپنے لگیں۔ ہند اور بیرون ہند سے نامی گرامی ماہرین اور اکابرین کا تعاون حاصل کیا گیا۔ "دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ" کے قیام کی بدولت بیرونی زبانوں کا ادب اور علوم متداولہ کا ذخیرہ نہایت تیزی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا۔

جامعہ عثمانیہ کے دو محسن بدیش نواب سالار جنگ مغفور نے دکنی ادب کے کلاسیکی ذخیرہ کی بازیافت، ترتیب اور اشاعت کا ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت دو درجن سے زیادہ کتابیں مرتب کی گئیں اور اہم معلومات اور تحقیقات کے ساتھ شائع ہوئیں۔ اس اہم کام میں دکن کے ان علم پردازوں نے معاونت کی۔ نظم جنگ، مہدی نواز جنگ، ڈاکٹر زور، پروفیسر سید محمد اور پروفیسر سروری کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ "سلسلۂ یوسفیہ" کے تحت شائع شدہ دکنی ادبیات کی کتابوں کے سبب گویا اردو کی عمر میں ایک سو سال کا اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر زور کی مرتبہ کلیات محمد قلی قطب شاہ، پروفیسر سروری کی کلیات سراج نے اردو ادب کو تحقیق کے نئے معیار سے آشنا کیا۔

طلبائے جامعہ عثمانیہ میں احساس برتری اور اہل دکن کی ادبی اور فکری عظمت کو چار چاند لگانے میں ڈاکٹر زور

علامہ حیرت بدایونی

اگلے وقتوں کے شاعر
اور مشاعرے

وہ شاعر، جن کو مَیں نے صرف دیکھا، اور وہ بھی جن سے مَیں ملا، وہ بھی جن کو میں نے مشاعروں میں سُنا۔ نیز ــــ ایسے شعرا، جن سے میری ملاقاتیں بھی رہیں اور تعلقات بھی بڑھے ــــــ

کہاں دس برس کا سن، جب میں برخوردار تھا اور آج پچھتر سال کی عمر جب میں بزرگوار ہوں۔ اِن دونوں زمانوں میں ۶۵ سال کا طویل فاصلہ ہے۔ اِس ۶۵ برس کی لمبی چوڑی داستان لکھنا، گویا دریا کو صُراحی میں سمو دینا ہے۔ اِدھر یادداشت کی کمزوری نے اللہ جانے کس کس کو ذہن سے بُھلا دیا ہے، اور پھر مضمون کا اختصار بھی پیشِ نظر ہے۔ اسی لیے میں اُن شعرا کا ذکر ہی نہیں کروں گا جو اللہ کے فضل سے ہنوز بقیدِ حیات ہیں۔ اگلے وقتوں میں مشاعرے کے معنیٰ تھے "طرحی مشاعرے" چھوٹے بڑے شعری اجتماعوں کا نام تھا، غیر طرحی محفلِ شعر و سخن، شاعروں کی ایک نشست، شعرا کی ایک بیٹھک، ایک چھوٹی سی صحبت، وغیرہ۔

مگر اب کوئی پندرہ بیس برس سے طرحی مشاعروں کا رواج کم ہوتے ہوتے ختم سا ہو گیا ہے اور شعرا کے غیر طرحی اجتماعوں کو ہی مشاعرہ کہا جاتا ہے ــــ اچھا، سب سے پہلے میں اپنے حافظے پر زور ڈال کر اُن مرحوم شعرا کے نام گِنا دوں، جن کو مَیں نے دیکھا ہے۔ میں کوئی بارہ تیرہ برس کا ہوں گا کہ مولوی التفات حسین کی کوٹھی محلہ چاہ میر بدایوں میں ایک کُل ہند مشاعرہ ہُوا جس کی طرح تھی: (دین ساغر ہو گیا، ایمان مینا ہو گیا)

بدایوں میں کُل ہند مشاعرہ: اُس زمانے کے جتنے اساتذہ و مشاہیر تھے، سب ہی اُس میں شریک تھے البتہ ایک معمر ترین شخصیت ایسی تھی جس کی شرکت پر اُردو کانفرنس کے ارکان

کے علاوہ ہر شاعر اور شریکِ مشاعرہ کو فخر تھا اور آج بھی مجھ سے پیر کہن سال کو فخر ہے کہ میں نے اُن کو دیکھا اور سُنا ہے' اور وہ ذاتِ گرامی تھی جن کا نام تھا' منشی امیراللہ تسلیم' ـــــ مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ کن اثرات کے تحت کہاں سے اور کس طرح لائے گئے تھے، رام پور سے لائے گئے تھے یا لکھنؤ سے۔ القصہ' مشاعرہ اُن کے آنے کے بعد کافی تاخیر سے شروع ہوا۔ نواب سراج الدین خاں سائل، سید وحید الدین بیخود دہلوی، قاضی محمد خلیل حیراں بریلوی مفتی عماد الحسن نو بریلوی، مفتی بدر الحسن تفتہ بریلوی، سید علی احسن احسن مارہروی، سید امیر حسن دلگیر مارہروی، طپش مارہروی' نواب ناظم علی خاں ہجر شاہجہاں پوری، ضمیر الحسن خاں دل شاہجہاں پوری، سید احمد بیباک شاہجہاں پوری، حیات بخش رسا رامپوری، جادو رامپوری، راز رامپوری، آغا شاعر قزلباش دہلوی، مرزا عاشق حسین بزم اکبر آبادی' سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی' باغ سنبھلی، نوح ناروی، خلیل الدین حافظ پیلی بھیت، حضرت کمال لکھنوی اور نہ معلوم کن کن شعرا کے نام دماغ سے نکل گئے۔ ان کے علاوہ مقامی یعنی بدایونی بزرگ و اساتذہ قسم کے سب شعرا تھے جن کی اکثریت تھی ـــ انصار حسین زلالی، مجتہد الدین تپش، محمد حسن اثر، عطا محمد عطا، اکرام احمد لطف، عبدالجامع جامی، قمر الحسن قمر، قاضی غلام امیر امیر، امیر احمد ٹونک والا، آمیر بدایونی، یعقوب بخش راغب، محمد محسن محسن، اکرام احمد شاد، شوکت علی خاں فانی' اور اللہ جانے کس کس کو میں بھول گیا۔ یہ سب کے سب اساتذۂ وقت تھے، مشہور و معروف تھے۔ لیکن منشی امیر اللہ تسلیم گویا ان سب کے باوا آدم تھے۔ مشاعرے میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ کوٹھی کا صحن کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہر شاعر و سامع کی آنکھ کوٹھی کے پھاٹک پر لگی تھی کہ منشی جی کو آتے ہوئے دیکھیں گے۔ میں والد کے ساتھ میر مشاعرہ کی مسند کے قریب پہنچ گیا تھا کہ یکایک گڑبڑ ہوئی ـــ آگئے آگئے آگئے ـــ راستہ دیجئے ـــ ہٹ جائیے ـــ کی آوازیں سُنائی دیں ـــ اتنے میں آٹھ سات حضرات کا سہارا لیئے ہوئے ایک مختصر سے سفید بُراق نُورانی بزرگ مسند پر لے جاکر بٹھا دیئے گئے۔ سر پر ململ کی ٹوپی، جسم میں باریک تن زیب کا انگرکھا اور لٹھے کا ڈھیلا پاجامہ، رنگ گندمی مگر چہرے اور ہاتھوں پر بے شمار بڑھاپے کی جُھرّیاں، نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، سراپا تبرک ہی تبرک، نور ہی نور اور پُرانی شاعری کی ایک دم توڑتی ہوئی مگر زندہ تاریخ، جن کے سامنے سائل و بیخود اور نوح و بزم جیسے کل کے بچے تھے۔ مجھے اندازہ نہیں کہ اُس وقت اُن کی عمر کیا تھی، سو کے پیٹے میں تھے یا اُوپر نکل گئے تھے۔ مجھے اُن کے قد و قامت کا بھی ٹھیک اندازہ نہ ہوسکا۔ ان کی کمر بالکل خمیدہ ہوچکی تھی اور گردن بھی ڈولنے لگی تھی، ہاتھ بھی کانپتے تھے' بہ تقاضائے عمر ثقلِ سماعت اور ضعفِ بصارت کے باوجود' مرحوم کے ہوش و حواس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ان کے حالاتِ زندگی اور ماضی کی تاریخ سے تو میں واقف نہیں۔ مگر ان کی پیری و ضعیفی کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ ذوق و غالب کا زمانہ بھی اپنے بچپن میں انھوں نے ضرور دیکھا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ عنفوانِ شباب میں ایسے مشاعروں میں شریک ہوئے ہوں جن میں ذوق غالب اور مومن جمع ہوتے تھے! ـــ

خلاصہ کلام یہ کہ، مشاعرہ شروع ہوا۔ منشی حسن افضل بدر بدایونی جو تسلیم صاحب کے قریب ہی تھے، حضرت تسلیم

کے ترجمان بنے۔ شعراء نے غزل خوانی شروع کی۔ تسلیم صاحب کو جو شعر پسند آتا، آہستہ سے نپے تلے الفاظ میں داد دیتے تھے اور منشی حسن افضل بآوازِ بلند سامعین کو مخاطب کر کے یوں کہتے تھے۔ استاد فرماتے ہیں کہ بہت اچھا شعر ہے۔ استاد فرماتے ہیں، سبحان اللہ۔ استاد فرماتے ہیں، ایک بار پھر پڑھو۔ یہ سنتے ہی سامعین کا شورِ تحسین و آفریں تو چھتیں اڑاتا تھا۔ مگر غزل خواں شاعر استاد ہو کر استاد کو سلام کرتا تھا اور جواباً عرض کرتا تھا استاد کا اتنا فرمانا میرے لیے سند ہے۔ استاد کی داد میرے لیے باعثِ فخر ہے۔ میں کیا اور میری شاعری کیا، یہ استاد کی خورد نوازی ہے، حوصلہ افزائی ہے۔ غرض کہ پچھلے پہر تک مشاعرہ ایک ہی رنگ پر جما رہا۔ میں نے ترنم سے غزل سناتے ہوئے سائل دہلوی کو پہلی بار وہیں سنا۔ مقطع کا پہلا مصرع تو بھول گیا۔ دوسرا یہ تھا: ع

تیرے سائل جاڑوں میں بھی پھیرا ہو گیا

اس پر بڑی دھوم مچ گئی تھی۔ استاد نے بھی فرمایا تھا، میاں سائل اسی میں تمہاری بڑائی ہے۔ ماشاء اللہ۔ سائل نے کہا، حضور، مجھے کیا آتا ہے، بزرگوں کا نام لیوا ہوں۔ مشاعرہ آخیر صبح ہوتے ختم ہو گیا۔ مگر ایک خاص قابلِ ذکر یہ لطیفہ ہے کہ — سائل اور بیخود دونوں دہلوی تھے۔ دونوں داغ کے شاگرد، اور آپس میں استاد بھائی تھے۔ رنگ روپ اور وجاہت و دلکشی میں سائل کا دور دور جواب نہیں تھا۔ اوپر سے انکسارِ نفس، خاطر تواضع، دوسروں کی عظمت ان کی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ چنانچہ مشاعرے میں بھی سب نے یہ محسوس کیا کہ سائل و بیخود آپس میں گفتگو کے وقت ایک دوسرے کو اس طرح مخاطب کرتے تھے کہ سائل صاحب بیخود کو بھائی صاحب کہتے اور آپ سے مخاطب کرتے تھے۔ مگر بیخود نے سائل کو جب مخاطب کیا تو سائل ہی کہا اور تم سے مخاطب کیا۔ جب منتظمِ مشاعرہ نے بیخود کا نام پکارا تو سائل نے کہا کہ میں بھائی صاحب کے بعد نہیں پڑھوں گا۔ لہٰذا پہلے مجھے اجازت دیجیے۔ چنانچہ سائل نے غزل سنائی اور مشاعرہ لوٹ لیا۔ اس کے بعد بیخود صاحب آئے اور شعراء و شرکائے مشاعرہ پر ایک حقارت آمیز نظر ڈال کر غزل سنائی تو عوام نے تو خاموشی سے غزل سنی مگر سائل کی واحد شخصیت تھی جو اپنے بھائی صاحب کے ہر شعر پر داد دے رہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مشاعرے کے بعد بدایوں میں بڑے بڑے مشاعرے ہوتے رہے اور سائل صاحب تو تشریف لاتے رہے مگر استاد بیخود کو پھر کسی مشاعرے میں شریک ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

لیجیے، ایک ہی مشاعرے کی مختصر روداد اس قدر طویل ہو گئی۔ ابھی تو یو۔ پی اور حیدرآباد کے اور بھی چند مشاعروں کی جھلک دکھانا ہے۔ اس مضمون کو زیادہ سے زیادہ مختصر کرتا ہوں۔

ایک عظیم الشان کل ہند مشاعرہ مولوی سخاوت حسین کی کوٹھی میں ہوا۔ جس کی طرح تھی ع

شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

یہ مشاعرہ مسلسل دو روز تک چلتا رہا۔ اس میں متذکرہ بالا مہمان شعراء کی اکثریت تھی اور مقامی شعراء میں حضرت فانی بھی تھے بڑی اچھی اچھی غزلیں شاعروں نے سنائیں اور خوب خوب داد پائی۔ دوسرے دن وہ بھی صبح ہوتے ہوتے جب شعراء

سامعین بالکل مضمحل ہو چکے تھے اور مشاعرے کے ختم ہونے میں مشکل سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا تھا کہ فانی کی باری آئی اور سامعین کو گ۔ کی مرغی دال برابر والی مثل یاد آئی۔ لیکن اس نحیف الجثہ کم سخن مقامی شاعر نے سوتے ہوئے، اُونگھتے ہوئے، تھکے ہوئے مشاعرے پر جادو کر دیا اور مطلع سے مقطع تک مختصر سی وہ غزل سُنائی کہ سارے مشاعرے میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ تعریفوں کے پُل باندھ دیئے اور یہی غزل حاصلِ مشاعرہ قرار پائی۔ نیز آج تک برصغیر کے طُول و عرض میں فانی کی غزل خاص و عام کی زبان پر ہے۔ مقطع یہ تھا ؎

فانی غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آئی

ایک یادگار مشاعرہ، فانی کے گھر میں!

اب ایک ایسے مشاعرے کی طرف بھی ذرا سا اشارہ کرتا چلوں جو خود فانی نے اپنے مکان کے صحن میں کیا تھا اور وہ لکھنؤ سے وسالت چھوڑ کر مستقل طور پر بدایوں آ چکے تھے۔ اس مشاعرے کے مہمان شعراء تھے:

صفی لکھنوی، آرزو لکھنوی، وصل بلگرامی، صفدر مرزاپوری، آگرے کے شاد وگیر، مانی جائسی، اٹاوے سے بیدم شاہ وارثی اور جگر مرادآبادی وغیرہ۔ ممکن ہے کچھ اور بھی ہوں۔ مقامی شعراء وہ سب تھے۔ ان کے علاوہ نوبلا بدایونی اور رضی احمد شہر مرحوم بدایونی بھی تھے۔ (یہ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کے بڑے بھائی تھے) مصرع طرح یاد نہیں، قافیہ ردیف تھا 'جواب، آتا ہے۔

اس مشاعرے کے انتظام میں فانی نے اپنی نطری نفاست کا مظاہرہ ایسے سلیقے سے کیا تھا کہ بدایوں والوں نے ایسا مشاعرہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا۔

رات کے 9 بجے سے مقامی شعراء و شرکاء کی آمد شروع ہو گئی، جن میں بُلائے، بن بُلائے اور تماشائی سب ہی تھے۔ مہمان شعراء غالباً خود فانی کے مکان پر مقیم تھے۔ بن بُلائے تماشائیوں میں راقم الحروف بھی تھا۔ چونکہ فانی میرے چچا کے ساتھ اسکول میں ہم جماعت رہ چکے تھے۔ لہٰذا مجھے جانتے تو تھے مگر عربی کا ایک طالبِ علم۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ آیئے آیئے ـــ شہر صاحب بھی آئے ہیں؟ میں نے کہا شام کی گاڑی سے بریلی سے آئے ہیں، گھر پر ہیں۔ تھوڑی دیر میں اپنے احباب کے ساتھ آجائیں گے۔ مجھے ایک طرف کو لے جا کر کہنے لگے کہ دیکھئے مولانا' میں آپ کے چچا صاحب کا ملنے والا ہوں۔ یہ آپ ہی کا مشاعرہ ہے۔ کسی بیرونی یا مقامی شاعر پر طنز و طعن یا منفی نکتہ چینی نہ کرنا۔ ہر شاعر فن داں نہیں ہوتا۔ میں نے کہا، فانی صاحب، آج آپ تصویرِ حیرت کا دوسرا رُخ بھی دیکھئے جس کو گرانا آتا ہے اس کو آسمان پر چڑھانا بھی آتا ہے میں آپ کے مشاعرے کو اپنا سمجھ کر چمکا دُوں گا۔ فانی صاحب سے یہ میرا خفیہ سمجھوتہ ہوگیا۔ چنانچہ میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ آس پاس چاندنی کا فرش، بیچ میں قالین، کنارے کنارے شعرا کے لیئے گاؤ تکیے۔ سرخ مورا۔۔۔ منڈھی ہوئی اور گوٹے سے بندھی ہوئی چھوٹی چھوٹی ڈھکن والی مٹی کی تھلیاں جن میں چاندی کے ورق لگی ہوئی لکھنؤ کے بیگماتی پانوں کی گلوریاں' ـــ

بہرحال شعراء اور سامعین، دونوں کا دور شروع ہوا اور شائقین کی تعداد بھی کافی تھی۔ راز رامپوری کا مطلع تھا جو
مشاعرے میں بہت پسند کیا گیا اور خوب داد ملی :۔

قفس کے پاس دل تھامے ہوئے صبا نکلی ہے ۔۔ خدا جانے اسیرِ غم! تیری فریاد میں کیا ہے

اس مطلع کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس سے زیادہ داد اب کسی کو نہیں ملے گی۔ مگر جب سید علی احسن صاحب
احسن مارہروی کی باری آئی اور انہوں نے بالکل سادگی کے ساتھ غزل کا مطلع پڑھا۔

چلیں گی برچھیاں کیا تم سے، ہماری بزدلی کیا ہے ۔۔ ہمارے پاس اک دل ہے، تمہارے ساتھ دنیا ہے

ادھر مطلع ختم ہوا اور ادھر مشاعرے میں ہلچل پڑ گئی۔ تلاطم برپا ہو گیا۔ پھر پوری غزل احسن کی رہی اور آفرین کے شور میں پھولا
پھلا اور مشاعرہ استاد احسن کے ہاتھ رہا۔ ابھی نہ جانے کتنے مشاعرے اور ہیں جن کے دھندلے بھی اور صاف بھی نقوش میرے
دماغ میں مرتسم ہیں۔ سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے۔ مضمون مختصر کرتے کرتے بھی اتنا طویل ہو گیا اور ابھی حیدرآباد کے
یادگاری و تاریخی مشاعرے باقی ہیں۔ کم سے کم چار پانچ مشاعروں کی تو جھلک دکھانی بہت ضروری ہے۔

یہ حیدرآباد ہے۔ اور میں تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل کی صف میں حیرت زدہ ہوں۔ سر علی امام کی وزارت کا
آخری زمانہ ہے۔ مگر لیجیے کیا۔ میں تو نوکری چھوڑ کے نان کو آپریشن کی تحریک سے متاثر ہو کر اور گرفتاری سے ڈر کر جان بچانے حیدرآباد
آیا ہوں اور تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے۔ ادیبوں سے شاعروں سے صوفیوں سے عالموں سے امیروں سے حاکموں سے ملنے
کی دل میں آرزو ہے اور یہ وہ جھدیاری ہے دو چار ہفتے میں ہی گھوم پھر کے شاعروں میں گھل مل گیا۔ میں بھی حیدرآبادی شعراء سے متاثر
ہوا۔ شعراء بھی مجھ سے متاثر ہوئے۔ اور مشاعروں میں شریک ہونے لگا۔ جس طرح یوپی میں معمر ترین شخصیت امیر اللہ تسلیم کی
میں نے دیکھی تھی، حیدرآباد میں بھی سب سے زیادہ سن رسیدہ جن بزرگ شاعر کو میں نے دیکھا اور ملا اور اُن کے چند مشاعروں میں بھی شرکت
کی۔ وہ شخصیت تھی حضرت عدیل کنتوری، جو حضرت ضامن کنتوری کے چچا ہوتے تھے اور ضامن صاحب کے ہر ماہانہ مشاعرے میں شرکت
کرتے جو ان کے مکان پر ہی ہوا کرتا تھا۔ عدیل صاحب بھی اُس زمانے میں نوے کے قریب پہنچ رہے تھے۔ ضامن صاحب کے خاندان کا
تعلق استاد ناسخ کے مکتبِ خیال سے تھا اور ان کے شاگردوں کے علاوہ دوسرے اساتذہ و تلامذہ بھی شرکت کرتے تھے۔ مشاعرہ
ہمیشہ تعطیل کے دن دوپہر کے بعد شروع ہو کر مغرب سے پہلے ختم ہو جاتا تھا۔ شرکاء کی فہرست تو بہت طویل تھی۔ مگر حضور امانت خانی
شباب صاحب پابندی سے آتے تھے۔ میں نے نادر علی برتر، باغ صاحب، زیرک صاحب، رہبر صاحب کو بھی ضامن صاحب کے
مشاعروں میں شرکت کرتے دیکھا ہے۔ ضامن صاحب جلد جلد مکان تبدیل کیا کرتے تھے کبھی دارالشفاء کے آس پاس کبھی بازار خالہ پیٹھ
کبھی محمدی بازار اور آخر آخر میں صادق جنگ کی ڈیوڑھی والی کمان میں مقیم تھے مگر محمدی بازار اور کالی کمان میں جب آئے تو غالباً عدیل صاحب
کا انتقال ہو چکا تھا۔ ضامن صاحب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اپنے والد اپنے چچا اور خود اپنے تلامذہ سے زبانی، جہاں شعراء کو داد
دیتے تھے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے جس باوقار پُرتمکنت انداز سے غزل پڑھتے تھے اور ایک ایک لفظ کی تصویر کھینچتے تھے۔ میں نے
اس آن بان سے پڑھتے کسی اور شاعر کو نہیں دیکھا۔ آخر زمانہ میں باغ صاحب کی بھی اُن سے بہت دوستی ہو گئی تھی اور باغ صاحب نے بھی

ہر مہینے مشاعروں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

سید کاظم علی باغؔ علی گڑھ کے تھے میں پولیس میں داروغہ تھا۔ نذیر جنگ معتمد فوج بھی علی گڑھ کے تھے اور بہت ہی منہ چڑھے مقرب خاص تھے۔ نذیر جنگ نے باغ صاحب کو فوج کے گھوڑوں کے دانے چارے اور فوجیوں کے غلہ وغیرہ کا ٹھیکہ باغ صاحب کو دے رکھا تھا۔ اسی میں باغ صاحب مالدار ہو گئے۔ شاعری اور مشاعرہ بازی کا مرض یوپی سے اپنے ساتھ لائے تھے گھر بیٹھے چلت پھرت لکھپتی دار باتوں میں جواب نہیں تھا دیکھتے دیکھتے بڑے بڑوں تک پہنچ گئے۔ اور طرحی مشاعرے دو بجے دوپہر سے شروع ہو کر رات کے آٹھ بجے تک ہونے لگے۔ آئندہ مہینے کے مشاعرے کے دعوت نامے بھی اسی مشاعرے میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اب میں بتاؤں کہ باغ کے مشاعروں میں کن کن بزرگوں کو شرکت کرتے میں نے دیکھا ہے۔ آپ سنیں گے تو حیرت کریں گے۔ مہدی یار جنگ۔ علی حیدر طباطبائی۔ ہاشمی فرید آبادی۔ وحید الدین سلیم۔ مولوی عبدالحق۔ مرزا محمد ہادی رسوا۔ راجہ نرسنگ راج عالی۔ راجہ محبوب۔ نادر علی برتر۔ زیرک مع تلامذہ۔ رہبر۔ منیر الدین ضیا گورگانی۔ مرزا لبیب شاہ تیموری۔ صفی اورنگ آبادی۔ راسخ۔ بیاں۔ تقی۔ رشباب۔ ضامن۔ نواب یار جنگ سعید۔ اور اللہ جانے کون کون۔

ایک مشاعرہ جس میں یہ سب تھے۔ طرح کچھ ایسی تھی: ۔ یہ کہہ دو ابر باراں سے اگر برسے تو یوں برسے ۔۔ مشاعرہ بعد دوپہر سے جو شروع ہوا تو رات کے آٹھ بج گئے۔ اور یہ سب دلچسپی میں بیٹھے رہے۔ صفی اورنگ آبادی بعد مغرب بلائے گئے۔ زبان کی غزل اور سب سے الگ۔ دھوم مچ گئی۔ صفی سے میری دوستی تھی مہاراجہ کے دفتر میں بھی ملازم تھے اور مغل پورے میں رہتے تھے۔ لہٰذا دیوڑھی میں ملاقات رہتی تھی پانچ بجے گھر لوٹنے کے بعد ہم دونوں ہم محلہ تھے محلہ میں ملاقات ہوتی تھی۔ صفی نے ایک شعر پر مجھے بطور خاص مخاطب کیا۔

مدد کے فلاکو ...... آنکھوں سے لگا لو (یہ پہلا مصرع مجھے ٹھیک یاد نہیں) کہ جیسا اس نے لکھا ہے تمہیں تحریر غالب سے پڑھتے۔

میں نے بھی جی کھول کر داد دی اور مشاعرے میں تو دھوم مچ گئی۔ بار بار پڑھوایا گیا۔ پھر دو ایک شاعروں کے بعد میری باری آ گئی۔ میں نے بھی جواباً صفی کو مخاطب کر کے کہا کہ مرزا غالب کا بیٹا آپ کو ملا۔ اور ایک ٹوٹا ہوا پر مجھے ملا۔

میرا شعر تھا — بہار آئے تو دو صیاد کو بھی لے اڑوں گا میں ❊ اسی بیکار بازو سے اسی ٹوٹے ہوئے پر سے

صفی نے بھی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ مگر صفی کے بعض تنگ نظر تلامذہ کو میری غزل پر جو محفل نے داد دی ناگوار ہوئی اور انھوں نے اس کو ملکی غیر ملکی نقطہ نظر سے دیکھا۔ جب صبح کو مغل پورے میں رات کے مشاعرے پر تبصرے ہوئے تو صفی نے اپنے تلامذہ کی غلط فہمی دور کر دی۔ اب مغل پورہ کی بات چیت چھیڑ دی ہے تو مغل پورے کے ایک خاص الخاص منتخب مشاعرے کی جھلک دیکھ لیجئے۔ یہ مشاعرہ نواب محمد علی خان ناظم نے خواجہ کے چلّہ میں کیا تھا۔ اسی مشاعرے میں سب سے پہلے میں نے نواب تمکین سرمست کو بھی سنا تھا۔ نواب علی خان ناظم داغ کے شاگرد تھے ان کی رنگین جوانی تو میں نے دیکھی نہیں مگر رنگین بڑھاپا میں نے دیکھا۔ بڑی بڑی خضابی سیاہ مونچھیں، چمکتی ہوئی بڑی بڑی روشن آنکھیں، گھیر دار انگرکھا، معطر کرتہ، دو رنگ مہری کا چوڑی دار پاجامہ، پاؤں میں آپا شاہی جوتیاں، گلے میں موٹے موٹے دانوں کی عقیق سیاہ کی تسبیح، میانہ قد، گندمی رنگ، مسکراتے ہوئے ہونٹ، قدیم وضعداری و شرافت و ملازمت کی ایک جھلملاتی ہوئی شمع۔ طرح تھی۔

ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے۔

نواب ناظم صاحب نے اس منتخب مجمع شعرا سے اہتمام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، ورنہ تمام ممتاز شعرا کو مدعو کیا تھا چونکہ مطربے بھی بہت بڑے دار تھے اس مطربات بھی تھے ... خاص خاص احباب کو تحفتاً ادب پیش کرتے تھے مشاعرے میں تمام شہر کا دستور کی مطابق بھی کی گئی۔ چلئے پان عطر سگریٹ سب کی تواضع کا انتظام تھا۔ اس شان سے مشاعرہ شروع ہو کر ڈھائی گھنٹے کے بعد ختم ہوا۔ مگر حاصل مشاعرہ ایک شعر تھا جس کو سن کر ساری محفل وجد کرنے لگی اور لوگوں نے کاغذوں پر لکھ لیا۔ زبانی یاد کر لیا اور وہ شعر تھا دارالشفا کے ایک بزرگ شاعر کا جن کا نام میں بھول رہا ہوں شاید علمدار حسین ان کا نام تھا۔ حکیم بھی تھے اور ڈاکٹر بھی تخلص بھی دو تھے الم اور قلم۔ مجھے جہاں تک یاد ہے وہ شعر انہی کا یہ تھا —

سنا ہے تم سنا کرتے ہو قصے رونے والوں کے ؛ ہمیں بھی ایک دل مرحوم کا افسانہ آتا ہے

ناظم صاحب اپنے مشاعرے کی اس شاندار کامیابی سے خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

لیجئے ہم محل پورے تک تو آ ہی گئے۔ اب یہاں سے شاد منشن مہاراج کی دیوڑھی بھی چند ہی قدم کے فاصلے پر ہے چلئے ذرا دیوان خاص باغ کے مشاعروں کا بھی نظارہ کر لیں۔

یہ خاص باغ ہے۔ یہاں تمام خاص و اہم سرکاری، خانگی تقریبات ہوتی ہیں۔ راجہ راجایان مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد بہادر شاد کے بزرگوں نے نانا کی دیوڑھی، خاص باغ، آئینہ خانہ، نظام محل وغیرہ سارے محلات بنوائے تھے۔ خاص باغ کے دروازے پر سید صادق حسین غبار اپنے دفتر کے عملہ کو لئے ہوئے موجود ہیں اور تاکید ہے کہ کوئی غیر مدعو شخص اندر نہ جانے پائے۔ کوتوالی کے کچھ جوان بھی ڈیوڑھی کے صحن میں انتظام کے لئے متعین ہیں۔

آج مشاعرہ ہے پہلے فارسی طرح پر ہو گا۔ پھر اردو کی طرح پر۔ خاص باغ کا دالان، اپنی زیب و زینت، شان و شوکت زیبائش و آرائش سے نگاہوں کو خیرہ کر رہا ہے اور امرا، جیسا کہ شاندار عظمت و برتری کی یاد کو تازہ کر رہا ہے۔ دیواروں پر بادشاہوں وزیروں اور امرا و عظام کی تصویریں نصب ہیں۔ مخملی قالینوں کا فرش ہے اور کارچوبی گاؤ تکیے لگے ہیں نقرئی اگالدان رکھے ہوئے ہیں۔ رات کے آٹھ بج گئے۔ مہمانوں کی موٹریں آنے لگیں پیشی کا عملہ استقبال کر رہا ہے اور اندر لیجا کر بٹھا رہا ہے۔ سب آ چکے ہیں آپ کے آنے کی دیر ہے۔ محل میں اطلاع کی گئی۔ ساڑھے آٹھ بجے مہاراج کی سواری برآمد ہوئی۔ چوبدار، جمعدار وغیرہ اپنے لباس میں ملبوس گرد و پیش میں۔ صحن کا حصہ چند قدم ٹہلتے ہوئے عبور کیا۔ خاص باغ میں داخل ہوئے، ساری محفل کھڑی ہو گئی سب نے اپنی اپنی جگہ سے جھک جھک کر سلام کیا۔ مہاراج نے بھی کھڑے کھڑے فرداً فرداً سب کا سلام لیا اور بیچوں بیچ میں اپنی مسند پر بیٹھ گئے۔ شاگرد پیشہ نے خاصہ کا حقہ کشتی میں رکھ کر اور چاندی کا پاندان، اگالدان سامنے لاکر رکھ دیا۔ اب مہمانوں نے دالان کے اس سرے سے اس سرے تک حاضرین پر ایک نظر ڈالی تو دیکھا کہ یہ ہیں نواب لطف الدولہ کے بھائی پائیگاہ کے امیرزادے نواب حمید الدین خاں نواب اکرم الدین خاں، نواب نجیب الدین خاں، یہ ہیں نواب تراب یار جنگ سعید۔ نرسنگھ راج عالی، محبوب راج محبوب نواب ضیا یار جنگ ضیا، نواب اختر یار جنگ اختر مینائی، مسعود علی صاحب صدیقی محوی، مولانا عبداللہ عمادی، منیر الدین خاں ضیاء گورگانی، شوکت علی خاں فانی بدایونی۔ ماہر القادری، مجید آغائی، آقا داعی الاسلام محمد علی شیرازی، فرخ شیرازی، طلعت یزدی

اَدبی ٹرسٹ بُک ڈپو

دانشوروں کی نظر میں

احمد علوی —— ۱۱ر جولائی ۱۹۶۷ء

اُردو کے فروغ کے لیے ہی نہیں بلکہ اُردو کی بقا کے لیے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ اُردو کی کتابیں بڑے پیمانے پر فروخت ہوں۔ اِس میں ادیب اور زبان دونوں ہی کا بھلا ہے۔ مجھے ادبی ٹرسٹ کا بُک ڈپو کھلنے کی اِسی لیے مسرت ہوئی کہ اِس سے اُردو کتابوں کی فروخت کا ایک بہتر وسیلہ فراہم ہو گیا۔

پروفیسر عالم خوندمیری —— ۱۰ر جولائی ۱۹۶۷ء

ادبی ٹرسٹ کے ارکان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اُردو پڑھنے والوں کی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کی اور ایک بُک ڈپو قائم کیا جہاں اُردو کی تمام مطبوعات مل سکتی ہیں۔ یہ ایک ایسی کمی تھی جس کا احساس سب کو تھا لیکن اس کو پورا کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

محمد علی۔ وزیر مواصلات میسور۔ میسور اسٹیٹ۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۷ء

اُردو بُک ڈپو کا قیام باعثِ مسرت ہے۔ اس کی افادیت بالکل واضح ہے اور عابد علی خاں کی کوشش میں ہاتھ بٹانا ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ابتدا بالآخر بڑے اداروں کے قیام کا باعث ہو سکتی ہے بشرطیکہ اُردو داں طبقہ کی پُرخلوص مدد اس کو حاصل ہو سکے۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر ـ ۱۲ راگست ۱۹۶۷ء

آج پہلی مرتبہ ادبی ٹرسٹ بک ڈپو میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ اس زبان کی ترقی اور ترویج کے لئے ضروری ہے کہ اساتذہ کا کلام، ان کی زندگی کے حالات، اُن کی مشہور تصنیفات کو سستے داموں منظرِ عام پر لانے کی مسلسل سعی ہو۔ اس سے عوام میں اس زبان کو مقبولیت حاصل ہوگی۔ صحیح معنوں میں یہی ایک ایسی زبان ہے جو سیکولر کہی جاسکتی ہے۔ تقریب قریب ہر صُوبائی زبان کے الفاظ اس میں شامل ہیں۔ کاش کہ یہ زبان تعصب کا شکار نہ ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ ادبی ٹرسٹ اور اس قسم کے دوسرے ادارے اس بغض اور تعصب کو دُور کرنے میں کامیاب ثابت ہوں گے۔

فخر الدین علی احمد ـ مرکزی وزیر صنعتی ترقیات ـ ۶ راگست ۱۹۶۷ء

مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اُردو ٹرسٹ نے اتنا بڑا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ کچھ ہی عرصہ میں کافی رقم جمع کرلی ہے اور اُردو ادیبوں کی ہمت افزائی کے واسطے بہت کچھ سہولت کا پروگرام زیرِ غور ہے۔ اِس سے اُردو زبان کو کافی مدد ملے گی۔ اور اس کے پھلنے پھوُلنے کا راستہ بہتر ہوگا۔ یہ کام قابلِ مبارکباد ہے اور ادارہ ہمدردی اور مدد کا مُستحق ہے۔

راجندر سنگھ بیدی ـ ۱۲ راگست ۱۹۶۸ء

میں جشنِ مزاح کے سلسلے میں حیدرآباد آیا اور ادبی ٹرسٹ میں آکر مجھے ویسی ہی خوشی ہوئی جیسی کہ دن بھر اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد گھر لوٹنے پر ہوتی ہے۔ فی زمانہ لکھنے والے تو بہت ہیں، مگر پڑھنے والے کہیں دکھائی نہیں دیتے اور جو ادارہ ملا ان کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے، تصنیف وتالیف کے علاوہ مُلک کی ثقافتی زندگی کا مددگار ہے۔ اس سلسلے میں ادبی ٹرسٹ ایک نہایت اہم کام سرانجام دے رہا ہے۔ میں اس کے سربراہوں کی ان کوششوں کو سراہتا اور ان کو مُبارکباد دیتا ہوں۔

فکر تونسوی ـ ۱۲ راگست ۶۸ء

کئی اچھے مقاصد بُرے ہاتھوں میں پڑکر تباہ ہوتے ہیں۔ ٹرسٹ کے ہاتھ مجھے کافی صاف ستھرے نظر آتے ہیں اور خدا کرے انھیں آئندہ بھی کوئی نظرِ بد نہ لگے۔ میں آئندہ سال حیدرآباد پھر آؤں گا اور چاہوں گا کہ یہ [illegible] اور وسیع نظر آئے۔ یہ میری خواہش ہے حکم نہیں۔

وی بشنکر [illegible] وزارتِ دفاع حکومتِ ہند ـ ۱۴ راگست ۶۷ء

[illegible] ادبی ٹرسٹ کے بک ڈپو میں چند لمحات کیلئے حاضر ہوسکا۔ کتابوں کی پسند قابلِ تحسین ہے۔ انہی چھوٹی شروعات سے بڑے کام پورے ہوتے ہیں۔ مقاصد اچھے ہوں تو بنیاد زیادہ بڑی باندھنے کی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ نیک کام انجام ونتائج پر پہونچے گا ؎ گوہرِ مقصود خود ملتا ہے ہمت شرط ہے

مضطرب رہتا ہے ہر موتی اُبھرنے کیلئے

شمسی مینائی ۔ بارہ بنکی ۔ ۱۹ر اگست ۱۹۶۷ء
ادبی ٹرسٹ کی ابتدا جن بلند مقاصد کے لیئے کی گئی وہ یقیناً اُردو زبان کی بقا اور ادیبوں کے تحفظ کے لیئے انتہائی ضروری اور لازمی تھی ۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ کام حیدرآباد میں شروع ہُوا' جو اُردو کا ابتدائی گہوارہ ہے اور جن لوگوں کی سعیِ جمیل و بلیغ سے یہ ابتدا ہوئی ہے' ان کے خلوص اور ان کی سلیقہ مندی انتہائی کامیابی کی ضامن ہے ۔

ڈاکٹر سید عابد حُسین ۔ ۲۲ر اگست ۱۹۶۷ء
ادبی ٹرسٹ' جن مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر قائم کیا گیا ہے وہ نہ صرف ہندوستان میں اُردو کی ترقی کے لیئے بلکہ اُردو زبان و اَدب کے زندہ رہنے کے لیئے ناگزیر ہے ۔ خدا سے دُعا ہے کہ یہ ادارہ پھُولے پھلے اور اس کی بدولت حیدرآباد میں جو اس زمانے میں اُردو کا سب سے اہم مرکز ہے' اُردو ادب کو پہلے سے بھی زیادہ فروغ حاصل ہو ۔

خمار بارہ بنکوی ۔ یکم ستمبر ۱۹۶۷ء
اَدبی ٹرسٹ کے مقاصد بے حد بلند اور مفید ہیں ۔ اس کے متعلق برابر اخبارات و رسائل سے معلومات فراہم ہوتی رہی ہیں ۔ خوش نصیبی سے آج ایک کتاب کے سلسلے میں آنا ہُوا' یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ اس کے انتظامات بے حد قابلِ اطمینان ہیں ۔ میری دعائیں ہیں کہ یہ ادارہ ہمیشہ پھلے پھُولے ۔

تارا کشوری سنہا ۔ ایم ۔ پی ۔ ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۷ء
مجھے ادبی ٹرسٹ کے بُک اسٹال کے معائنہ کا موقع ملا ۔ اُردو کے چند بہی خواہوں نے ایک چھوٹی سی جگہ میں بک اسٹال قائم کیا ہے' لیکن اس کے چپّے چپّے سے ان کا بے پایاں خلوص جھلکتا ہے ۔ مختصر سی مدت میں بک اسٹال کو قابلِ لحاظ منافع ہوا ہے اور یہ منافع کارکنوں کی ان تھک کوششوں اور بے پناہ خلوص ہی کا رہینِ منت ہے ۔ مجھے توقع ہے کہ یہ ادارہ ترقی کرے گا ۔ اس کے پُرجوش کارکن ہی اس کے تابناک مستقبل کی ضمانت ہیں ۔ میں ان کی ہر جہتی کامیابی کی آرزومند ہوں ۔

ڈاکٹر مسعود حسین خان ۔ صدر شعبۂ اُردو ۔ جامعہ عثمانیہ ۔ ۳ر نومبر ۱۹۶۷ء
ادبی ٹرسٹ بک ڈپو کی جانب آج اتفاق سے آنکلا ۔ اس گوشۂ ادب میں اُردو کتب اور رسائل کا وافر ذخیرہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی ۔ یہ شکایت کہ اُردو کی علمی کُتب' حیدرآباد میں مُشکل سے دستیاب ہوتی ہیں' اس گوشۂ ادب نے کافی حد تک دُور کر دی ہے ۔ خدا کرے یہ گوشہ ایک وسیع دکان کی شکل اختیار کر لے ۔

ڈاکٹر رفیق ذکریا ۔ وزیر منصوبہ بندی ۔
حکومتِ مہاراشٹرا ۔ ۸ر جنوری ۱۹۶۸ء
اُردو ادب میں حیدرآباد ایک خاص مقام رکھتا ہے ۔ اس شہر نے اُردو کی جو خدمت کی ہے' اسے کون

بھلا سکتا ہے۔ مانا کہ زمانہ بدل گیا ہے، لیکن ہر دور کے لیئے نئے خادم مل ہی جاتے ہیں۔ میرے دوست عابد علی خاں، آج کل اُردو کے لیئے وہی کام کر رہے ہیں، جو پچھلے زمانے میں مولوی عبدالحق اور ان کے رفقاء نے کیا۔ حالانکہ انھیں وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کا کام اتنا بڑا اور پھیلا ہوا نہ ہو، لیکن میری نظر میں موجودہ حالات کے مدِنظر ان کی خدمت کچھ کم پُرخلوص اور ٹھوس نہیں ہے۔ ادبی ٹرسٹ کا قیام اسی جذبۂ خلوص کا ایک بہترین اظہار ہے۔

آئی۔ ایس۔ جوہر

۲۶ر فروری ۱۹۶۸ء

جگہ چھوٹی ہے تو کیا، ارادہ تو بڑا ہے۔

▲

نیک تمناؤں ، کے ساتھ

شری شنکر نارائنا کنسٹرکشن کمپنی

کنٹراکٹرس و کنسٹرکشن انجینیرز

۷ ، ریذیڈنسی روڈ
بنگلور ۲۵
ریاست میسور

آندھرا پردیش للت کلا اکیڈیمی

کلا بھون سیف آباد ۔ حیدرآباد ۴

آرٹ کے موضوع پر عنقریب شائع ہونے والی مطبوعات

۱۔ لیپاکشی

آرٹ کے خزانوں پر ایک مونوگراف۔ مشہور لیپاکشی مندر کی
سولھویں صدی کی دیواری پینٹنگ اور مجسمے۔

انگریزی متن : از : شری اے گوپال راؤ

جس میں (۸) رنگین پلیٹیں اور (۴۸) ہاف ٹون سیاہ اور
سفید پلیٹیں شامل ہیں۔

سائز ۱۲٫۲۵ × ۱۰٫۷۵

اشاعت سے پہلے کی قیمت (۶۰) روپے

۲۔ باتصویر رامائن

اسٹیٹ میوزیم آف حیدرآباد میں محفوظ ایک نایاب باتصویر نسخہ
انگریزی میں متن اور تبصرہ : از : شری جگدیش متل

جس میں (۱۰) رنگین پلیٹیں اور (۴۰) ہاف ٹون سیاہ و سفید
پلیٹیں شامل ہیں۔

سائز ۱۱ × ۹ ۔

اشاعت سے پہلے کی قیمت (۳۰) روپے

مزید تفصیلات کے لیے آفس سکریٹری سے ربط پیدا کیجئے

آدبی ٹرسٹ

کی

کامیابی کے لیے نیک تمنائیں

یونائیٹڈ اسٹورز

ٹرانسپورٹ کنٹراکٹرس اینڈ فلیٹ اونرس

هیڈ آفس: مرکارا

ایڈ منسٹریٹیو آفس: منگلور

سارے جنوبی ہند میں شاخیں اور

معاون دفاتر موجود ہیں۔

فہرستِ کُتب

حیدرآباد کے مُصنّفین کی تصنیفات

(تنقید، تحقیق، تذکرہ، تاریخ وسوانح، تہذیب وتمدن، مکاتیب، مذہب اور فلسفہ)

روحِ غالب ۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ۵/-
حیدرآباد فرخندہ بنیاد ۔ " ۲/۵۰
شعروزبان ۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں ۵/-
دکنی ہندو اور اُردو ۔ نصیرالدین ہاشمی ۳/۵۰
غزل اور مسائل ۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل ۲/-
اقبال کا تصورِ خودی ۔ ڈاکٹر غلام عمر خاں ۳/-
اقبال کا تصورِ عشق ۔ " ۲/۵۰
مغربی تصانیف کے اُردو تراجم ۔ میر حسن ۱/۵۰
نظامی گنجوی ۔ رضیہ اکبر حسن ۲/۵۰
تذکرہ نوادرِ ایوانِ اُردو ۔ (جلد اول) ڈاکٹر زور ۴/-
تعلیم کا مسئلہ ۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ۱/-
حیدرآباد کے بڑے لوگ ۔ غلام پنجتن شمشاد ۲/-
تحفۃ الشعرا (تذکرہ قاقشان) ڈاکٹر حفیظ قتیل ۳/-
مثنویاتِ میر سید محمد ۲۲/-
تاریخ ادب اُردو ۔ مرتبہ: ادارۂ ادبیاتِ اُردو ۲/-
تاریخ ادبیاتِ عربی ۔ سید ابوالفضل ۳/-
تاریخ بالکنڈہ ۔ منشی فیض الدین ۲/۵۰

اُردو کے اسالیب بیان ۔ ڈاکٹر زور ۱/۵۰
رہرو اور کارواں ۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل ۲/-
رادھا رنگ محل ۔ وزیر حسن دہلوی ۱/۵۰
رفیق اُردوداں ۔ مرزا عصمت اللہ بیگ ۳/۲۵
ریاضِ مختاریہ ۔ دلاور علی دانش ۵/-
سائنس کے کرشمے ۔ میر حسن ۱/-
سراجِ سخن ۔ پروفیسر عبدالقادر سروری ۱/-
سرسید احمد خاں ۔ ظہیرالدین احمد ۱/-
رسائلِ طیبہ ۔ طیب بیگم ۳/-
مقننہ اور قانون ۔ حفیظ صدیقی ۴/-
اُردو کی ادبی تاریخ ۔ پروفیسر عبدالقادر سروری ۳/۵۰
خطوط مولوی عبدالحق ۔ پروفیسر محمد اکبرالدین صدیقی ۵/-
فن کی جانچ ۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر ۴/-
مَن سمجھاون ۔ (شاہ تراب) " ۴/-
ماسٹر رام چندر " ۳/۵۰
تذکرہ مخطوطات ۔ ڈاکٹر زور ۴/-
ادارۂ ادبیاتِ اُردو (جلد سوم تا پنجم)

کتاب التذکرہ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد ۶/-
ترجمہ : ڈاکٹر سید ولی الدین

افاداتِ سلیم ۔ (وحید الدین سلیم) ۲/۵۰
مرتبہ : محمد سردار علی

تذکرہ گلشنِ گفتار ۔ مرتبہ : سید محمد ۳/-

اصلاحاتِ غالب ۔ علی حیدر نظم طباطبائی ۴/-

مبادیاتِ تہذیبِ اسلامی ۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف ۳/-

یادگارِ مومن ۔ مرتبہ : محمد منظور احمد ۴/-

اشرف المخلوقات ۔ ڈاکٹر سید اختر احمد ۱/۵۰

اسرارِ کائنات ۔ " -/۷۵

میرا جی خدانما ۔ ڈاکٹر حنیف قتیل ۵/-

علامہ اقبال کی داستانِ دکن ۔ میر محمود حسین -/۵۰

یادگارِ امجد محمد اکبر الدین صدیقی ۱/۵۰

یگانہ جہانگیری ۔ نور الحسن جعفری ۱/-

بچوں کی دیکھ بھال ۔ مسلم ضیائی ۴/-

خواجہ بندہ نوازؒ کا نظامِ تصوف ۔ احمد حسین ۴/-

اُردو انسائیکلوپیڈیا ۔ مرتبہ : ادارۂ ادبیاتِ اُردو ۱/-

مال والوں کی تاریخ ۔ مراد علی طالع ۱/۲۵

سلاطینِ آصفیہ (عہدِ کتابوں کا نسخہ) مراد علی طالع ۲/-

تنویرِ تخیل ۔ نجم الدین المعی ۳/۵۰

آبِ رود اور سُرنگ ۔ فیض محمد صدیقی -/۷۵

اُردو کی لاج ۔ بشیر النساء بشیر -/۲۵

داستانِ ادبِ اُردو ۔ ڈاکٹر زور ۲/۵۰

فانی بدایونی ۔ ڈاکٹر مغنی تبسم ۱۵/-

تلگو کا عظیم شاعر مہاکوی گرجاڈا ۔ ہیرالال موریا ۲/-

مقامِ غالب ۔ سابد الدین رفعت ۲/-

میر تقی مومن ۔ ڈاکٹر زور ۲/-

دارالسلام کے سپوت ۔ حافظ محمد مظہر ۱/-

محمد حسین آزاد ۔ جہاں بانو نقوی ۲/۲۵

سروجنی نائیڈو ۔ وزیر حسن دہلوی ۲/-

تلگو ادب کی تاریخ ۔ مرتبہ : ڈی رامانج راؤ ۴/-
زینت ساجدہ

رُوحِ اسلام اقبال کی نظر میں ۔ ڈاکٹر عمر خاں ۲/-

مومن ۔ تمکین کاظمی ۲/-

یادگارِ فرحت (تذکرہ مرزا فرحت اللہ بیگ) ۳/-
غلام یزدانی

علی عادل شاہ ثانی (حیات و شاعری) زینت ساجدہ ۲/-

حیدرآباد کے ادیب (تذکرہ حصہ اول) " ۴/-

" " حصہ دوم " ۵/-

یادِ امجد (تذکرہ امجد حیدرآبادی) محمد اکبر الدین صدیقی ۲/-

یادگارِ زور ۔ محمد اکبر الدین صدیقی ۶/-

یادگارِ ہاشمی ۔ " ۲/-

یادگارِ صفی (اورنگ آبادی) خواجہ حمید الدین شاہد ۱/-

اُردو میں علمِ ہجا ۔ سعادت نظیر ۲/۵۰

کہانی اور اُس کا حق ۔ ڈاکٹر مغنی تبسم -/۵۰

تلگو ادب کی تاریخ پر ایک نظر ۔ " -/۵۰

حیات بخشی بیگم ۔ نصیر الدین ہاشمی -/۷۵

خطابیات ۔ ڈاکٹر رحیم الدین کمال ۱/۷۵

نقدِ معانی ۔ (تحقیقی و مضامین و نظمیں) نقد خلیل ۱/-

اکبر الطلسم ۔ پروفیسر محمد نصیر الدین ۱/۵۰

مسولینی کی آپ بیتی ۔ بادشاہ حسینی ۱/۵۰

مومن و غالب ۔ عزیز یار جنگ عزیز ۱/-

کتاب	قیمت
فنِ انشا پردازی ۔ ڈاکٹر زورؔ	۱/۵۰
باتیں ۔ شجاع احمد تائد	۱/-
مشاہیرِ قندھار دکن ۔ پروفیسر اکبرالدین صدیقی	۱/۵۰
یادِ معانی ۔ "	۱/-
طبیعاتی کائنات ۔ پروفیسر محمد علی خاں	-/۵۰
علمِ خانہ داری ۔ محمود صدیقی	-/۵۰
فنِ تقریر ۔ مرتبہ : ادارۂ ادبیاتِ اردو	۱/۵۰
مکتوباتِ شاد عظیم آبادی ۔ مرتبہ : ڈاکٹر زورؔ	۳/-
سرگذشت ادارۂ ادبیاتِ اردو ۔ خواجہ حمیدالدین شاہد	۲/-
نذرِ محمد قلی قطب شاہ ۔ ڈاکٹر زورؔ	۵/-
اردو میں سائنسی ادب ۔ خواجہ حمیدالدین شاہد	۱/۵۰
طالب و موہنی (سید محمد والہ) ڈاکٹر زورؔ	۱/۵۰
نذرِ دکن (مضامین) سکینہ بیگم	۱/۵۰
یورپ جنگ سے پہلے ۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی	۳/۵۰
سالار جنگ میوزیم ۔ مبارزالدین رفعت	۱/-
سیرتِ بندہ نوازؒ ۔ حکیم لئیق احمد نعمانی	۱/۲۵
شاہی خاندان (تاریخ) پروفیسر عبدالرحمٰن خاں	۵/-
آسٹریلیا کی ایک جھلک ۔ تاج یٰسین علی خاں	۲/-
سلکِ گوہر ۔ جلال الدین اشکؔ	-/۵۰
نگارشاتِ بہادر یار جنگ ۔ نذیرالدین احمد	۱/۳۵
امر جوت ۔ بنکٹ پرشاد	۳/-
پانی کی کہانی ۔ فیض محمد فیض	-/۷۵
تاریخ گولکنڈہ ۔ پروفیسر محمود صدیقی	۷/-
مقدمہ تاریخ دکن ۔ " مجید صدیقی	۱/۷۵
بہمنی سلطنت ۔ " "	۲/۵۰
حیوانی زندگی کی دلچسپ باتیں ۔ ڈاکٹر محشر عابدی	۴/-
یادگارِ جشنِ سیمیں ۔ خواجہ حمیدالدین شاہد	۱/-
ہندوستانی تمدن ۔ ڈاکٹر ایشوری ٹوپا	۳/۷۵
یادگارِ محمد قلی قطب شاہ ۔ ڈاکٹر زورؔ	-/۷۵
سیرِ گولکنڈہ ۔ "	۱/-
عروض ۔ ڈاکٹر کلیم اللہ حسینی	-/۷۵
عمادالملک ۔ نیض اللہ صدیقی	-/۵۰
معلمِ بالغان ۔ سید ناصر حسین	۱/-
اسلامی عدل گستری ۔ عبدالحفیظ صدیقی	۱/۶۲
سرگذشت حاتم ۔ ڈاکٹر زورؔ	۲/-
ادبی تحریریں ۔ "	۲/-
پن چکی (اورنگ آباد) سید مبارزالدین رفعت	۱/۵۰
نذرِ دلی (تذکرہ) جہاں بانو نقوی	۳/۵۰
روحِ ادب (مضامین) مرتبہ : انجمن ترقی اردو	۱/۷۵
سوانح جہانگیر ۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل	۲/۵۰
صحیفۂ اہلِ ہدیٰ (تذکرہ) اکبرالدین صدیقی	۲/-
سجاد حیدر یلدرم ۔ مبارزالدین رفعت	۱/۷۵
تمدنِ عتیق ۔ پروفیسر ابوظفر عبدالواحد عطاالرحمٰن	۱/۵۰
دستورِ ہند اور اسکی شرح ۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی	۱۰/-
گنجِ طلسم ۔ ڈاکٹر زورؔ	۱/۵۰
کمال و زوال ۔ میر حسن	۲/-
تاریخ سیاسیات ۔ پروفیسر مجید صدیقی	۲/۵۰
تاریخ ناندیڑ (دکن) احمد علی بیگ چغتائی	۲/-
اصولِ نظم و نسقِ عامہ ۔ حبیب قادر	۴/-
معاشیات ۔ پروفیسر مولوی حبیب الرحمٰن	۳/-
سمندری عجائبات ۔ احمد حسین نقوی	۱/۲۵

سرگزشت غالب ۔ ڈاکٹر زور ۱/-

عرب اور عربستان ۔ جہاں بانو نقوی -/۷۵

فکر سیاسی (سیاسیات)، محمد رحمت علی ۵/-

سیاسی ادارات ۔ ،، ۱/۲۵

آداب المریدین ۔ ملا عبدالباسط ۶/-

کارواں ۔ بشیر انور ۱/-

تبصرۃ الخوارقات ۔ ترجمہ: مبارزالدین رفعت ۵/-

امر جیون ۔ بیر حسن ۲/-

مخدوم ۔ ایک مطالعہ ۔ داؤد اشرف ۲/۵۰

اُردو رسم خط ۔ محمد سجاد مرزا ۱/-

اُردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصہ ۔ ۳/-
ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

تین مسافر ۔ ڈاکٹر قطب النسا ہاشمی ۳/-

حیدرآباد کا شاہی دسترخوان ۔ مرتبہ: نسیم صمدانی ۱/-

اُردو دانی (حصہ اول ودوم)، مرتبہ: اظہرالدین -/۶۲

وجیہہ الدین وجدی ،، ۲/-

نثری جاترے ،، ۱/۵۰

اُردو میں یونانی اور لاطینی الفاظ ،، ۱/۵۰

پرتگالی زبان کا اثر اُردو زبان پر ،، ۱/۵۰

اُردو میں فرانسیسی الفاظ ،، ۳/-

ہمارے پھول ۔ پروفیسر سعیدالدین ۱/-

ابتدائی سماجی انسانیات ۔ ڈاکٹر فاطمہ شجاعت ۳/-

شہریات ۔ محمد رحمت علی ۳/-

ماہ لقا اور دوسری نظمیں ۔ عزیز احمد ۱/۲۵

ہمارے ٹیگور ۔ مسعود انصاری ۱/-

شکار نامہ (رسالہ خواجہ بندہ نوازؒ) پروفیسر مبارزالدین رفعت ۱/-

دکن میں ریختی کا ارتقا ۔ بدیع حسینی ۶/-

مجلس اقوام متحدہ ۔ ۱/۳۰

رُوداد کل ہند کانفرنس ۔ مرتبہ: زینت ساجدہ ۱/-

ہمارے کتاب داری ۔ غلام رسول ۳/-

اقبال سخن (حیات وشاعری) ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ۱/۲۵

فن اور فن کار (تنقیدی مقالے) ،، ۲/۵۰

کلمۃ الحقائق (برہان الدین جانم) ،، ۱/۵۰

اُردو نثر کا آغاز وارتقا ۔ ،، ۲/۵۰

اُردو زبان پر انگریزی زبان کے اثرات
پروفیسر محمد بن عمر ۲/-

اُردو میں یورپی الفاظ کا لسانیاتی مطالعہ ۔ پروفیسر محمد بن عمر ۱/۵۰

لسانیاتی مقدمات ،، ۱/۵۰

اُردو میں دخیل یورپی الفاظ ،، ۱۰/-

ڈاکٹر زور ،، ۲/-

شعری مجموعے اور شعراء کے تذکرے

بساط رقص ۔ مخدوم محی الدین ۵/-

اوراق مصور ۔ سکندر علی وجد ۴/-

شعرائے عثمانیہ ۔ مرتبہ: معین الدین قریشی ۴/-
پروفیسر باقی

چراغ منزل ۔ شاہد صدیقی ۲/-

حیدرآباد کے شاعر (حصہ اول) مرتبہ: خواجہ حمیدالدین شاہد ۴/-

،، ،، (حصہ دوم) مرتبہ: سلیمان اریب ۵/-

مرقع سخن ۔ (دوم) مرتبہ: ڈاکٹر زور ۴/-

- رخسارِ سحر - خورشید احمد جامی ۲/۷۵
- نمودِ زندگی - علی منظور ۲/۰۰
- آبگینۂ شعر - بشیر النساء بشیر ۶/۰۰
- کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ - مرتبہ ڈاکٹر زور ۱۵/۰۰
- دیوانِ ہاشمی بیجاپوری - مرتبہ ڈاکٹر حفیظ قتیل ۶/۰۰
- گلِ تر - مخدوم محی الدین ۱/۵۰
- تراشیدہ - شاذ تمکنت ۵/۰۰
- ضربِ آتشیں - قمر ساحری ۲/۵۰
- گلِ تازہ - صلاح الدین نیر ۱/۰۰
- صبحِ گل - ریونندن ریحانی ۲/۵۰
- جامِ صہبا - ابو الخیر صہبا ۲/۰۰
- نقشِ آذر - راشد آذر ۲/۵۰
- انتخابِ کلامِ صفی - پروفیسر مبارز الدین رفعت ۲/۰۰
- نغمۂ زندگی - پنڈت دامودر ذکی ۲/۰۰
- کلپنا - اختر عادل ۱/۰۰
- جامِ کرن - راجہ کرن پرشاد کرن ۱/۰۰
- شاخِ گل - ہیرا لال موریا ۱/۰۰
- مدینے کا صدقہ - (نعتیہ کلام) مرزا شکور بیگ ۰/۵۰
- آبگینے (انتخابِ کلام) مرتبہ حسن فرخ ۱/۰۰
- دیوانِ عشق اورنگ آبادی - پروفیسر اکبر الدین صدیقی ۲/۵۰
- مجموعۂ نظمِ حالی - مرتبہ ادارۂ ادبیاتِ اردو ۱/۷۵
- نشتر و مرہم (رضا نقوی واہی) مرتبہ مصطفیٰ کمال ۳/۵۰
- زیرِ گل - (انتخابِ کلام) عظمت عبد القیوم خاں ۲/۰۰
- ساعاتِ کامل (کلام) مولانا شیخ احمد شطاری ۲/۷۵
- سنگ و سمن - خالد یوسفانی ۲/۰۰
- معانیٔ سخن (انتخابِ کلام محمد قلی) مرتبہ ڈاکٹر زور ۱/۵۰

- انوار - علی اختر ۲/۰۰
- ترجمانِ زندگی - علی منظور ۲/۵۰
- پاسِ گریباں - سلیمان اریب ۲/۵۰
- کلیاتِ غواصی - پروفیسر محمد بن عمر ۴/۰۰
- کلیاتِ شاہی - مرتبہ پروفیسر زینت ساجدہ ۵/۰۰
- پراگندہ (صفی اورنگ آبادی) خواجہ شوق ۳/۵۰
- پتھروں کا مغنی - وحید اختر ۶/۰۰
- برگِ سبز - بانو طاہرہ سعید ۲/۵۰
- موجِ صبا - فیض الحسن خیال ۱/۰۰
- کیفِ صہبا - ابو الخیر صہبا ۱/۵۰
- نقشِ جاوداں - میر حسن نقی علیخاں ثاقب ۴/۰۰
- وجدانِ کفر - منوہر لال شارب ۲/۵۰
- صد پارۂ جذب (رباعیات) رگھونیدر راؤ جذب ۱/۰۰
- ارمغانِ اختر - مرتبہ خواجہ حمید الدین شاہد ۱/۰۰
- پیامِ کربلا - رضی علی اصغر ۰/۷۵
- ہمارے شاعر - صمصام شیرازی ۱/۰۰
- تراشے (مزاحیہ کلام) ۱/۰۰
- حرفِ شیریں - (مزاحیہ کلام) قاضی غلام احمد ۱/۵۰
- ایمانِ سخن - مرتبہ پروفیسر سید محمد ۰/۷۵
- رباعیاتِ الہیات - ڈاکٹر رگھونندن راج سکسینہ ۲/۵۰
- وادی کے مقطعے - مختار احمد بدایونی ۱/۰۰
- ٹھوکروں کے کانٹے (علی صاحب میاں) مرتبہ مصطفیٰ کمال ۱/۵۰
- شعر و سحر - عظمت عبد القیوم خاں ۳/۵۰
- زو نیم - ڈاکٹر مسعود حسین خاں ۲/۵۰
- ارمغانِ جذب - جذب عالم پوری ۱/۰۰
- گنجِ طلسم (مثنوی) سید محمد والہ ۱/۵۰

دیوانِ درد اورنگ آبادی) مرتبہ ڈاکٹر خالدہ بیگم — ۱/۵۰

جیتے ہوئے پھول۔ کرنل محابت بیگ — ۱/۵۰

نظم بہار۔ مرتبہ ڈاکٹر زور — ۲/۰۰

پھول بن (مثنوی ابن نشاطی) مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری — ۵/۰۰

کلام (قطب شاہی و عادل شاہی سلاطین کا کلام) سعادت علی رضوی — ۵/۰۰

گلشن عشق۔ (مثنوی نصرتی) مرتبہ پروفیسر سید محمد — ۹/۰۰

تصویر جاناں (مثنوی تحسینی) لاکن شفیق مرتبہ خواجہ حمید الدین شاہد — ۱/۵۰

چندر بدن و مہیار (مثنوی مقیمی) مرتبہ پروفیسر محمد اکبرالدین صدیقی — ۲/۵۰

دبستان تخیلات (مثنوی ششتکم) جذب عالم پوری — ۱/۰۰

انتخاب ظفر۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری — ۱/۰۰

قصہ مہر افروز و دلبر۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں — ۱۲/۰۰

آب و تاب۔ سعادت نذیر — ۱/۵۰

شمع حرم۔ ساجد رضوی — ۱/۰۰

خواب زلیخا۔ حکیم یوسف حسین خاں — ۲/۰۰

نوید گل۔ سعادت نذیر — ۱/۰۰

شب چراغ۔ خاور نوری — ۱/۵۰

انگلش اردو پوئمز۔ فضل الدین — ۲/۰۰

صبر و شکر۔ (نعتیہ کلام) تہنیت النساء بیگم — ۲/۰۰

معیار غزل۔ (انتخاب) ڈاکٹر حفیظ قتیل — ۱/۰۰

لیلیٰ مجنوں (مثنوی عاجز) ڈاکٹر غلام عمر خاں — ۶/۰۰

شاعری کا انتخاب۔ مرتبہ ڈاکٹر زور — ۷/۵۰

نذر معصومین۔ لطیف النساء بیگم — ۲/۰۰

غبار کارواں۔ ڈاکٹر محشر عابدی — ۱/۲۵

قدر سخن۔ ابو زاہد سید یحییٰ حسینی قدر عریضی — ۱/۰۰

کلیات سراج اورنگ آبادی۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری — ۸/۰۰

سیف الملوک بدیع الجمال۔ سعادت علی رضوی — ۵/۰۰

کلیات عبداللہ قطب شاہ مرتبہ پروفیسر سید محمد — ۵/۰۰

رضوان شاہ و روح افزا (مثنوی فائز) مرتبہ پروفیسر سید محمد — ۳/۵۰

پنچھی باچھا (مثنوی وجدی) مرتبہ پروفیسر سید محمد — ۴/۵۰

طوطی نامہ (مثنوی غواصی) مرتبہ سعادت علی رضوی — ۵/۰۰

راحت و جراحت (انتخاب کلام) مرزا احسن بیگ سیابی — ۲/۰۰

مینا (مثنوی غواصی) مرتبہ ڈاکٹر غلام عمر خاں — ۵/۰۰

مغز مرغوب (مثنوی میراں جی) محمد ہاشم علی — ۵/۰۰

تجلیاں۔ ساجد رضوی — ۱/۵۰

سجدے۔ ساجد رضوی — ۱/۰۰

پھول کلیاں۔ سعادت نذیر — ۱/۰۰

بادۂ سخن۔ مرتبہ ڈاکٹر زور — ۰/۷۵

مینارۂ نور۔ خاور نوری — ۲/۰۰

ذکر و فکر (نعتیہ کلام) تہنیت النساء بیگم — ۲/۰۰

نغمۂ روح (کلام) بشیر حیدرآبادی — ۰/۷۵

رمز سخن (انتخاب کلام سدانند بہاری لال انسر) مرتبہ ڈاکٹر زور — ۱/۰۰

ہیت کی ریت (گیتوں کا مجموعہ) صادق جنگ علم — ۲/۰۰

دکنی رباعیات۔ مرتبہ ڈاکٹر سید جعفر — ۵/۰۰

جواہر سخن۔ علامہ ناصر زید پوری — ۳/۵۰

لغت اور لسانیات

تلگو اور اردو لغت (مرتبہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش) ۳/۵۰

اردو تلگو لغت ۔ ڈاکٹر راما راجو ۶/۰۰

اردو املا ۔ غلام رسول ۔ ۰/۵۰

زبان اور علم زبان ۔ پروفیسر عبدالقادر سروری ۰۰/[illegible]

ہندوستانی لسانیات ۔ ڈاکٹر زور ۳/۵۰

ہنگامے اردو ۔ غلام ربانی ۲/۰۰

تصرفات اردو ۔ احمد علی خان ادیب ۳/۲۵

تصحیح الاغلاط ۔ احمد علی خاں ۲/۷۵

منظوم اور اسٹیج ڈرامے

سقراط ۔ فضل الرحمٰن ۔ ۱/۲۵

نیا انسان ۔ فضل الرحمٰن ۱/۰۰

چنگیز ۔ فضل الرحمٰن ۔ ۲/۰۰

خسرو وقت ۔ فضل الرحمٰن ۔ ۲/۰۰

سافلی (ریڈیائی فیچرز و ڈرامے) مرزا اطہرافسر ۲/۰۰

بہادر شاہ ظفر ۔ سید منیجہ فریدالٰہی ۲/۵۲

ہوش کے ناخن ۔ میر حسن محمد مرمحی الدین ۲/۰۰

دہمی ۔ وزیر حسن الیور ۱/۵۰

ایک منزل کئی قافلے ۔ یعقوب سربکش ۔ ۱/۵۰

تماشائے اہل ہنر ۔ رشید الحسن ۱/۵۰

کاغذ کی ناؤ ۔ میر محمد علی میکش ۱/۵۰

ایک ایکٹ کے ڈرامے پروفیسر محمد بن عمر ۱/۵۰

افسانے، ناول، طنز و مزاح، رپورتاژ

شیشہ و تیشہ ۔ شاہد صدیقی (مرتبہ مجتبیٰ حسین) ۳/۰۰

اجلی پرچھائیاں ۔ اقبال متین ۴/۰۰

وقفہ ۔ جیلانی بانو ۲/۵۰

ٹھنڈی بجلیاں ۔ عبادت جنید کمنہ ۲/۰۰

زہر خند ۔ احسن علی مرزا ۱/۵۰

مٹی کی دنیا ۔ رشید قریشی ۱/۰۰

کہانی ۔ آمنہ ابوالحسن ۲/۵۰

تکلف برطرف ۔ مجتبیٰ حسین ۔ ۳/۰۰

رات کا رومان ۔ اکرام جاوید ۲/۰۰

روشنی کے پھول ۔ اکرام جاوید ۴/۰۰

کیف و کم ۔ یوسف ناظم ۔ ۲/۰۰

رم جھم ۔ مری کرشن سنہا ۔ ۱/۵۰

محبت کی چھاؤں ۔ مرزا ظفر الحسن ۱/۵۰

مائی ڈیر شکنتلا ۔ [illegible] شاہ ۱/۵۰

چالیس قدم ۔ عاتق شاہ	-/۵۰
عابد روڈ سے کمرشیل اسٹریٹ تک ۔ عاتق شاہ	۱/۰۰
بادل کی گھنیری چھاؤں تلے ۔ فاطمہ یزدانی	۶/۰۰
نواز بیگم ۔ طیبہ بیگم بلگرامی	۲/۰۰
افسانہ اور افسوں ۔ بشیر احمد طائر	۱/۵۰
اندھیرے ۔ عاتق شاہ	۲/۰۰
تلگو افسانے (اردو ترجمہ) داسرتھی	۳/۵۰
لیلیٰ ۔ عظیم النساء بیگم	۱/۰۰
ایک انار صد بیمار ۔ بشیر احمد طائر	۱/۵۰

ادب اطفال

بچوں کے گیت ۔ لطیف النساء بیگم	۲/۲۵
گاندھی جی ۔ خورشید احمد جامی	-/۷۵
محمد قلی کی جیون کہانی ۔ وقار خلیل	-/۵۰
اشوک اعظم ۔ سیدہ مہدی جعفری	-/۵۰
پیغمبروں کی کہانیاں ۔ حبیب ابراہیم	-/۷۵
پاتال کی سیر ۔ فخر الحسن	۱/۲۵
ہونہار (ڈرامہ) شجاع احمد قائد	-/۷۵
مولانا ابوالکلام آزاد ۔ وقار خلیل	-/۵۰
حیدرآباد ۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ	-/۶۲
آتش کا محل ۔ مسلم ضیائی	-/۳۷
پانی کی کہانی ۔ فیض صدیقی	-/۷۵
مہینوں کی کہانی ۔ حبیب ابراہیم	-/۷۵

رسائل کے خاص نمبر

سب رس (میکش نمبر) مرتبہ خواجہ حمید الدین شاہد	۲/۰۰
محمد قلی قطب شاہ نمبر ۔ مرتبہ سب رس	۱/۵۰
سب رس کے ٹیگور نمبر ۔ وقار خلیل	۱/۵۰
ارنڈ کالج میگزین (اکبر الہ آبادی نمبر) ارشاد علی خاں	۳/۰۰
مجلس (عبدالحق نمبر) محمد منظور احمد منظور	۴/۰۰
سب رس ۔ عزیز جنگ ولا ۔ مرتبہ پروفیسر اکبر الدین صدیقی	۱/۵۰
زور نمبر ۔ مرتبہ سب رس	۶/۰۰
مجلہ عثمانیہ (دکنی نمبر) مرتبہ مصطفیٰ کمال	۵/۰۰
ندیم اردو (جلد اول) ڈاکٹر مسعود حسین خاں ڈاکٹر غلام عمر خاں	۱۳/۰۰
مجلہ عثمانیہ حیدرآباد (ادب نمبر) ابوالفیض سحر	۵/۰۰
مجلہ عثمانیہ (مقالہ) زاہدہ ابوالحسن	۵/۰۰
یادگار مومن ۔ مرتبہ پروفیسر اکبر الدین صدیقی	۱/۰۰

ادارے مکتبے جہاں کی مطبوعات بک اسٹال پر مل سکتی ہیں

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش۔
ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد
تلنگانہ اردو اکیڈیمی۔ حیدرآباد۔
اعجاز پرنٹنگ پریس۔ حیدرآباد
اسٹوڈنٹس بک ہاؤز " "
مکتبہ صبا "
خواجہ اولاد گھر۔ دہلی
اردو گھر۔ دہلی
نفیس پبلیکیشنز۔ دہلی
پبلیکیشنز ڈویژن۔ دہلی
اسٹار پاکٹ بک ڈپو۔ دہلی
منورہ بک ڈپو۔ دہلی
ادارہ فروغ اردو۔ لکھنو
کتاب پبلشرز لکھنو
سرسید بک ڈپو
عظیم الشان بک ڈپو۔ پٹنہ
ہندوستانی بک ٹرسٹ بمبی
اسٹوڈنٹس اسٹورز جموں

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد
آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی
نیشنل بک ڈپو۔ حیدرآباد
حیدرا اینڈ سنز۔ حیدرآباد
تدیم اردو حیدرآباد
مکتبہ جامعہ۔ دہلی
نفیس پبلیکیشنز دہلی
قصر اردو۔ دہلی
اہلو والیہ۔ دہلی
پنجابی پستک بھنڈار
ہند پاکٹ بکس دہلی
دانش محل لکھنو
نسیم بک ڈپو لکھنو
انجمن ترقی اردو۔ علی گڑھ
انڈین بک ڈپو۔ پٹنہ
آزاد کتاب گھر۔ جمشید پور
جنید پرنٹنگ پریس۔ بمبی
دار المصنفین۔ اعظم گڑھ

علمی و ادبی رسائل جو بک اسٹال پر مل سکتے ہیں

گفتگو۔ بمبی	شاعر۔ بمبی	محب ہند۔ حیدرآباد	کتاب۔ لکھنو
صبا۔ حیدرآباد	سب رس حیدرآباد	جامعہ دلی	کتاب نما۔ دلی
پونم۔ حیدرآباد	خاتون دکن۔ حیدرآباد	آواز۔ دلی	پیام تعلیم۔ دلی
ترقی اردو حیدرآباد	کاکل ( ) حیدرآباد	تحریک دلی	حالستان۔ دلی
شاہکار۔ الٰہ آباد	شب خون۔ الٰہ آباد	شب رنگ الٰہ آباد	.. .. ..

ہندوستان کے مختلف مستند اداروں، مکتبوں کی معیاری و اہم مطبوعات کے علاوہ
تمام جدید و قدیم معیاری کتابیں بھی ادبی ٹرسٹ، بک اسٹال سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

تاریخ جمالیات ۔ مجنوں گورکھپوری — ۲/-
تنقیدی جائزے ۔ پروفیسر احتشام حسین — ۳/۵۰
مقدمہ شعر و شاعری ۔ الطاف حسین حالی — ۲/۲۵
اُردوئے معلّٰی ۔ غالب — ۲/۵۰
آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ ۔ سید مسعود حسین رضوی — ۱/۵۰
ادب کا تنقیدی مطالعہ ۔ سلام سندیلوی — ۲/۵۰
ترقی پسند ادب ۔ عزیز احمد — ۳/-
آبِ حیات ۔ محمد حسین آزاد — ۸/-
باقیاتِ شبلی ۔ مشتاق حسین — ۳/۷۵
انتخابِ کلامِ میر ۔ مولوی عبدالحق — ۲/۵۰
مقالاتِ حالی ۔ مولوی عبدالحق — ۲/۲۵
خطباتِ آزاد ۔ ابوالکلام آزاد — ۳/-
ناول کیا ہے؟ نورالحسن ہاشمی، احسن فاروقی — ۳/۵۰
مقالاتِ نیاز ۔ نیاز فتح پوری — ۲/۵۰
نوادرِ ابوالکلام آزاد ۔ عبدالغفار شکیل — ۳/۵۰
گنج ہائے گراں مایہ ۔ رشید احمد صدیقی — ۴/-
اسلام پر ہندوستانی تہذیب کا اثر ۔ ڈاکٹر تاراچند — ۷/۵۰
مطالعۂ زورؔ ۔ ڈاکٹر اکبر حیدری — ۳/۵۰
بابائے اُردو عبدالحق ۔ عبداللطیف اعظمی — ۴/۵۰

اَدب اور نظریہ ۔ آلِ احمد سرور — ۴/-
فرہنگِ غالب ۔ امتیاز علی عرشی — ۴/-
یادگارِ غالب ۔ حالی — ۳/-
پطرس کے مضامین ۔ پطرس بخاری — ۲/۵۰
نئے تنقیدی گوشے ۔ سید ممتاز حسین — ۶/۵۰
اُردو انشائیہ ۔ سید صفی مرتضیٰ — ۲/۵۰
اُردو ڈرامہ ۔ ڈاکٹر قمر رئیس — ۴/۵۰
ادبی خطوطِ غالب ۔ محمد حسن عسکری — ۴/۵۰
پنجاب میں اُردو ۔ محمود شیرانی — ۵/
ترقی پسند ۔ علی سردار جعفری — ۳/۷۵
یادگارِ حالی ۔ بیگم صالحہ عابد حسین — ۴/۵۰
مضامینِ رشید ۔ رشید احمد صدیقی — ۶/-
ہندوستانی لسانیات کے خاکے ۔ احتشام حسین — ۲/-
آثارِ ابوالکلام آزاد ۔ قاضی عبدالغفار — ۳/۷۵
ہندی ادب کی تاریخ — ۵/۵۰
ادبی ڈرامے ۔ سید اعجاز حسین — ۳/۵۰
مضامینِ چکبست ۔ برج نارائن چکبست — ۳/۵۰
فلسفۂ عجم ۔ ڈاکٹر اقبال — ۳/۷۵
اُردو تعلیم کے لسانیاتی پہلو ۔ گوپی چند نارنگ — ۱/۹۰

نیک

تمنّاؤں

کے ساتھ